



جلد

سب قدر انسانی و علم پروری

دین مکتبہ دارالکرام



مذہب و مکتبہ

سالانہ قیمت پانچ روپے

فہمی، اخلاقی، تاریخی، سیاسی، علمی، ادبی،  
ہر مہینے کے پہلی تاریخ کو شائع ہونے والا ماہوار رسالہ

مولوی محمد بیگ الفاروقی  
(پتہ) ڈورسبرگ، مان جہان خان روڈ، رانی ہسٹ، ہسٹ آفس وراس

**MUARRIKH**

RELIGIOUS, HISTORICAL, SOCIAL, PHILOSOPHICAL  
LITERARY, AND POLITICAL  
Monthly Re-view.

EDITED BY

Maulavi Mohammad Badi-ud-din-ul-Farooqi  
46, JANI-JEHAN KHAN ROAD,  
ROYAPET, P. O. MADRAS

PRINTED BY THE MANAGER, 10, 11, 12, 13, 14, 15, 16, 17, 18, 19, 20, 21, 22, 23, 24, 25, 26, 27, 28, 29, 30, 31, 32, 33, 34, 35, 36, 37, 38, 39, 40, 41, 42, 43, 44, 45, 46, 47, 48, 49, 50, 51, 52, 53, 54, 55, 56, 57, 58, 59, 60, 61, 62, 63, 64, 65, 66, 67, 68, 69, 70, 71, 72, 73, 74, 75, 76, 77, 78, 79, 80, 81, 82, 83, 84, 85, 86, 87, 88, 89, 90, 91, 92, 93, 94, 95, 96, 97, 98, 99, 100

مطبعہ مولوی جہان خان روڈ وراس

تفسیر

سورۃ

# والعصر

دیکھنے کو تو یہ چھوٹی سی سورۃ ہے مگر حبیب اسکے جامع مانع مطالب پر فور کیا جاتا ہے  
 نو قرآن کے کلام الہی اور فصاحت بلاغت میں لاثانی ہونے پر دل خود بخود پکارا اٹھتا ہے اسکے  
 منہ امام قرن چہار و ہجتم امام لشرق مولانا الشیخ محمل عبدہ مصری رحمۃ اللہ  
 ہیں۔ ادب اور علوم عقیدہ میں شیخ کا جو پایہ ہے ان لوگوں کو بخوبی معلوم ہے جو عربیت میں تھوڑی  
 بہارت رکھتے ہیں مگر مفسر کی وقت عام لوگوں کے ذہن نشین کرنے کے لئے اناکھدیا میں کہ اس  
 چودہویں صدی اسلامی میں شیخ ہی ایک عالم تھا جو قرآن کے منظر اور اسکے کلام حق ہونے کا ثبوت دے سکتا  
 تھا۔ ادب اور فلسفہ کے تجربے ساتھ ہی مولف فرسی زبان کا بھی بہت ہی معتد زبان دان تھا۔  
 جناب مولوی محمد بدیع الدین صاحب فاروقی اوڈیر موخ نے اسکو نہایت  
 ہی عمدہ اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ سب سے پہلے دیا چاہیے اس میں مفسر کی مختصر سی لطف و دلچسپی  
 پر موقوف بہ موقع کا آمد جو اشی بھی دئے ہیں۔ اخیر میں ایک لمبے فائدہ ہے غرض تفسیر کیا ہے اسلام  
 مرقع ہے کوئی اسلام جس اس سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ خط خوش۔ چھپائی نفیس۔ کاغذ چمکا۔ باریک  
 قیمت صرف ۸ روپے ایک ذمہ خریدار۔

دفعہ آئین اوڈیر موخ کے نام آئین

موسم

تفقیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ ابیدنا بوجہ مناک

جلد ۱۱ شمارہ لاہور پبلشنگ کمپنی

## ایک حکیم فاسی علمی رسالہ

دنیا کا قدیم سے یہ دستور ہے کہ ایک قوم کو گزشتہ اور دوسری اسکے بجائے قائم ہوتی ہے۔ قائم ہونے والی قوم پر بدستور قوم ہند اس سے آگے والی جملہ اقوام کی جملہ علوم و فنون۔ اور رسوم و رواج عادات و معانی۔ اور حکومات و کائنات کی وارث ہوتی ہے اسی قاعدہ سے دنیا آگے بڑھتی گئی اور آئندہ بھی اسی طرح بڑھتی جائیگی۔

جس وقت زمانہ اپنے فطری انقلابات کی بنا پر عربوں کو پہنچا۔ عرب اپنے ریگستان اور وادیوں سے آباد اور سرسبز و شاداب دنیا میں نکل کر آئے۔ قرآن ان کے ساتھ تھا۔ اور رسول کا کلام ان کی رہبری کر رہا تھا۔ وہ ان ہدایتوں سے سرفراز ہو کر ان تمام ممالک پر فتیاب ہو گئے۔ ان سے کہیں بدرجہا مہذب اور تمدن تھے۔ ان فتحیابیوں کے بعد زمانہ کے غیر مستبد قاعدہ کے اقتدار انکو بھی ان جملہ علوم و فنون اور رسوم و رواج اور عادات و خیالات کا وارث بننا پڑا جس طرح آگے اقوام بنتی چلی آتی تھیں۔ انہوں نے جانشین ہو کر فارس و روم۔ شام اور یونان اور ہند کے بعد ان نظری اور عملی ترقیوں پر قبضہ کر لیا جو انسانی دماغ کے قہنہای مستعدہ کے کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ اس سے اس شمیر زن قوم میں جو ہدایات آسمانی سے لبریز ہو کر حکمت

فلسفہ حقہ کے تشنہ ہو رہی تھی۔ دماغی ترقیوں کا جدید سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ ترقیان کہ جنہ خداوند حکیم و عظیم کو یورپ جیسی اندھیرے گھپ سرزمین چاندنا پھینا، اور اس روشنی کے رہبری سے یہاں کی جملہ اقوام کو نہایت ہی نقطہ عروج و تقدم پہنچانا تھا جیسا کہ آج کل ہم ملاحظہ کر رہے ہیں ہر ایک علم و فن میں مسلمانوں نے تحقیقات جدیدہ کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور یہ تحقیقات اگلی انسانی کوششوں پر ایک قابل قدر اضافہ ثابت ہوئیں۔ بغداد اور مصر دمشق اور مغرب قسطنطنیہ اور اندلس کے ہر ایک مینے اور شایستہ شہر میں ان جدید تصنیفات کا ایک ایک بہرہ پر اکٹھا نہ نظر آنے لگا۔ ہر طرف سے جابر علم کچھ علم کے طواف کے لئے احرام باندھے مالک کلامیہ کو غلے آ رہے تھے۔

کہہ مدیون کے بعد جبکہ فروعات کی فضول سبھی پیدا ہو کر مسلمانوں میں خانہ جنگیاں ہونے لگیں۔ ان آسمانی بہکات کا دروازہ بند ہو گیا تو وہ علماء رہے جو جدید تحقیقات سے ہر ایک راز و سربتہ کا انکشاف کر رہے تھے۔ اور نہ وہ طلب علم ہی جو شوق علم میں مشرق سے مغرب پہنچ جاتے تھے۔ صرف یہی کتابیں باقی رہ گئیں اور تقلید عامیہ پر در و مدار رہ گیا۔ اس صورت میں قدم آگے بڑھیں تو کیونکر ترقی کا قدم رک گیا۔ قوم پر جیسا کہ ہر ایک تنزل پانیوالی انسان، الی جماعت کے لئے خدا کی سنت ہے اوبار کے گناہ کا تار دوسرے آنے لگے۔ ہمارا معلم و فنون کی کتابیں ہماری کس سپرس اور غیر قوم فاقوں کے دست برد سے یا تو بربادی کے نذر ہو چکے یا الماریوں ہی میں دھرتے دھرتے دیک اور یوسیدگی کی غذا بن گئیں۔

قابل قدر تصنیفات کو قدر شناس حریت و جدوجہد کے زوال کے بعد انہوں نے ان کو اپنا مال ٹھہرایا اور اپنے محقق مشہور ہوئے آج بھی آپس کے شہرہائے کارڈوا اور گریٹینڈین خلافت عربیہ کا کتب خانہ جو حوادث سے بھر گیا تھا بند پڑا ہو کس سپرس کے عالم میں موجود ہے معلوم نہیں۔ کتابوں کا کیا حال ہو گا اور کیسی کیسی قیمتی کتابیں ہونگی۔ ایک وقت اخباروں میں مشہور ہوا تھا کہ قسطنطنیہ اور مصر کی ایک علمی جماعت اس کتب خانہ کا جائزہ لینی والی ہے۔ اور خود سلطنت سپین نے بھی اسلی اجازت دیدی ہے مگر بعد میں کچھ جی سن گن نہیں پڑی۔

اس کتب خانہ کے سوا خاص آستانہ علیہ میں بھی کئی کتب خانے موجود ہیں۔ ان میں بھی قدیم قلمی کتابوں کی ایک خاص تعداد ہے۔ تاہم ادھر کے علماء ان کتابوں کو نگاہ کٹ اٹھا کر نہیں دیکھتے معلوم نہیں کہ ان کو دوروں میں کیسے کیسے لے لیں ہوں گے۔ خدا علامہ مصر کی جامعہ میں متعدد کتب خانہ رکھے کہ انہوں نے دو چار سال ہوتے ہیں آستانہ کے کتب خانوں سے کچھ کتابوں کو نقلیں فولورگراف کے ذریعہ لائی ہیں اور سنا جاتا ہے کہ اب

وہ چپ ہی رہی ہیں۔ اگر اسلامی دنیا میں ہر طرف ایسی ہی تلاش و کوشش ہو تو رگوں کی ہیراٹ جو غبار کی تصرف اور دستبرد زمانہ سے بچی رہی ہے وہ عالم اشاعت میں اگر وہ ہفت ہفتوں کے ناموں کو زندہ کرتی ہے ہمارے اس فخر کو بھی اور مل کر دیگی جو ہیں اپنے اسلاف کرام کے متعلق ہے۔

قیاس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی خاک ہند میں ہی اسی بہت سی ایسی تالیفات و تصنیفات گمنامی میں دبی پڑی ہیں جنہی المذاق قابل قدر ہوگی۔ مگر انکا ڈھونڈنا کتنا کسی فرد واحد کے لیے کی بات نہیں۔

ہمارے اس قیاس کا ثبوت اسی سے ہو سکتا ہے کہ چند روزہ ہوتے ہیں کہ ایک چھوٹا مغل غیر مطبوعہ رسالہ ایک ہندوستانی کے دکاندار چین ماہر لگا۔ یہ علم بیان کے شعبہ مجاز و حقیقت کے بیان میں ہے۔ نام رشحات الاعجاز فی تحقیق الحقیقۃ و الباطن ہے۔ زبان فارسی مولف کا نام محمد غوث بن ناصر الدین ارکان کا باشندہ اور قوم پشتون ہے۔ سن تالیف بارہ سو پانچویں ہے جبکہ دولت کرناٹک و دلا جاہیہ کا میں نے تھا۔ یہ رسالہ کسی میر کے فرمایش پر تحریر ہوا ہے۔ مگر صراحت اس میں کہانا نہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ امیر کو اپنی شہرت منظور نہ تھی۔ صرف اس عالم کی قدر افزائی اور مبالغہ ان علم کی بھلائی کا خیال تھا۔

رسالہ توشیحہ عین تالیف ہوا ہے مگر کتاب جو اس رسالہ کو نقل کیا ہے کہ ہیکل اس رسالہ ہے وہ اپنے کتابت کتب میں لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تالیف سے اکاون برس بعد ایک کاتب نے اسکو نقل کیا ہے۔ اگرچہ کہ علم بیان کی کتابوں میں یہ شعبہ موجود ہے کوئی جدید اضافہ نہیں ہوا ہم اس خیال سے اس کو مورخ کے مصنفین پر نقل کرتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اسکی موجودہ ترتیب جو یہ ہے کسی طالب علم کو فائدہ ہو اور یہ کہ اس مرحوم عالم کی یہ تالیف جو کئی دن اور راتوں کی دماغ سازی کا نتیجہ ہوگی دستبرد زمانہ سے بچکر زندہ رہ جائے اور اپنی زندگی کے ساتھ ہی اپنے ہر کلمہ کے نام کو بھی زندہ رکھے۔ ہمارے ناظرین میں سے جو چند خاص خاص لوگوں کے اکثر ان کو اس کتاب سے کچھ ہی فائدہ نہوگا۔ مگر یہ کہ کچھ فائدہ نہیں ہے کہ ایک علمی تصنیف قعر اموات سے نکل کر عالم حیات میں آتی ہے۔ اور خود فرغیہ ہے جو ہر ایک علم دوست انسان پر واجب ہے۔

بہر حال اب ہم اس تالیف کو مجتہد نقل کرتے ہیں اور وہ اس طرح شروع ہوتی ہے:-

۱۔ ایک اور قدیم مغل غیر مطبوعہ کرم خوردہ فارسی کتاب بھی ہیں ایک شخص کے معرفت ملی ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا حصہ ہے جو مولف ابید کے ترتیب دیا گیا ہے۔ ہم انکا ذکر کرتے ہیں بہت جلد یہ ناظرین کرینگے ۱۲ اڈیٹر

# رشحات الاعجاز فی تحقیق الحقیقۃ والمجاز

تالیف فاضل و کامل جامع منقول و مسمول

حامی فروع و مہول مولانا محمد

غوث بن نادر بن محمد کان اللہ

لہما و سلا فہما

۴ ۴ ۴ ۴

۴ ۴

۴

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الای متلای معانی رابقہ کہ بغوصی افکار صائبہ - از بحر صد و سبوح لسنہ برآید - تنظیم  
 انال قلام بلاغت اعلام از اصناف انواه در سلک سطور بہ نظام گراید - پیرائے تنائی  
 مالک الملک و الملکوتیکہ مجاز را نقطہ حقیقت نمود - و کامل العز و الجبروتیکہ حقیقت  
 انسانہ را بہ شخص علیہ البیان مشخص فرمود - و در و سبوح الورد و برکات مصنوعات - و فضل سوخت  
 و اعرف مخلوقات - و اشرف موجودات - و ارجح وسائل - و اوضح دلائل - رسول مبین  
 النقیب جب واجب التوحید محمد مصطفیٰ - و برآل با صفا و اصحاب با وفائی ابدال آباد -  
 متوکل مسلسل با رحمہ اعلیٰ میگوید بندہ خاکسار عاصی خاکی محمد غوث بن ناصر الدین محمد علی  
 شافعی ارکائی کائن اللہ لہ و لوالدیہ - و احسن البہا والیہ کہ در صد و پنجاه و دو سجدہ  
 ہجری بعضی از اعیان خورشید بلند مکان - و صد و قدر رسانان والا نشان اللہم اجعلہ کامیاب  
 و حیدانی الاوصاف الرضیہ و علیانی الاخلاق المرضیہ استدعائے تحریر تعریف و تقسیم حقیقت  
 را نامتذام او کجا در وصفات نیکہ - و بلند مرتبہ در صفات نیکہ -

۱۰ اگر تو گاہی لفظ کے اہل میں غلطی کر کے تاہی علی سے کہتے ہیں فی الحقیقت اسکو تاہی قریش سے کہنا چاہیے  
 کیونکہ یہ ایک شہر کا نام ہے جو جب کے قریب قدیم زمانہ میں واقع تھا - اس وقت اسکو تاہی یا تاہی کہتے تھے  
 عرب جس وقت سندھ کو فتح کرے یہاں تک بھی آچھو - انکی آمد وقت سے یہاں انکی اولاد بھی پہل گئی - پس لسانی



و مجاز علی وجہ مقصدین الاطباء والایجاز فرمودہ باوصف تشبہ بال - و استعمال احوال  
 نظریہ اسحاق فرمودہ اوچند ورق باوضوح طرق - و اسهل سل بطور رسالہ ترتیب داد و منسی  
 کرد شجرات الامجاز فی تحقیق الحقیقۃ و المجاز و التعلیل و التعلیل و - و منہ المیدار و الیہ المتعاد <sup>مقدم</sup>  
 و التعلیل حقیقت و مجاز حقیقت استعمال لفظ و معنی کہ اولاً جہت آن موضوع  
 شدہ است چون لفظ اسد کہ وضع کردہ شدہ است اولاً برائے شیر پس اگر گویند ہراسد و از ان  
 ارادہ شیر کند حقیقت است و وجہ تسمیہ بدان اینکه حقیقت مشق از حق است بمعنی ثابت  
 چون آن لفظ بمعنی اصلی خود ثابت ماند سہی شد حقیقت و مجاز استعمال لفظ و معنی است کہ برآ  
 آن اولاً موضوع گشتہ چون همان لفظ اسد اگر گویند زید اسد یعنی زید شیر است پس مجاز باشد  
 و وجہ تسمیہ بدان اینکه مجاز بمعنی گذشتن است چون آن لفظ از معنی اصلی خود گذشتہ و  
 غیر آن متصل گردید پس سہی شد مجاز فضل و مجاز علاقہ و مناسبت بیان معنی اصلی و استعمال ضرور  
 است چنانچہ در مثال مذکور کہ مناسبت در میان زید و شیر و شجاعت است و اگر در میان  
 ہر دو معنی مناسبت و علاقہ نباشد از امر نقل ناسد چون همان لفظ اسد کہ نام شخصی از انسان نہند بجز  
 تولد مثلاً کہ در اینجا شجاعت اصل مقصود نیست و وجہ تسمیہ بدان اینکه امر نقل بمعنی منفرد و تنہا است  
 چون آن لفظ از معنی اصلی خود مناسبت نہ داشت و از ان منفرد و تنہا شد سہی گردید بہ امر نقل فضل  
 بدانکہ آن علاقہ کہ در مجاز شرط است علاقہ مشابہت باشد یا نہ ہر تقدیر اول اگر بہ آلات تشبیہ

کہلانے لگی یعنی ملک ناما کے باشندے۔ بعد میں اس نئی نسل کا صدر مقام کو کن پہلے۔ چہر کو کن والوں کی اولاد  
 وکن کے درباروں کے جانب برہ آئی اور کارنامے نمایان کے صد میں مختلف خطابوں سے سرفراز ہوئے جب بعد میں  
 چکر لگی اولاد کے لئے لکھ بنگے پہرے لگے اور لکھ پئی پیدا ہو گئے۔ غرض یہ کہ کہا جاتا ہے کہ بنی نایط ایک عربی  
 کا نام ہے اسکا تذکرہ اگرچہ کچکنا بون میں موجود ہے مگر کوئی جتنا یہ نئی ثبوت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

مستعمل شد پس شبیه است چون زید کالاسد که بکان تشبیه مقرون گشته و اگر به آلات تشبیه  
 مستعمل نشده پس استعاره باشد چون زید به استعاره بمعنی عاریت خویش است چون  
 در مثال مذکور لفظ اسد را که در اصل برای شیر موضوع است جهت زید مقرر ذکر و مذکور یا از اصل  
 وضع آن عاریت گرفتند پس معنی گردید با استعاره و بر تقدیر میراثی یعنی در میان هر دو معنی علامه  
 مشابهت نباشد مجاز مرسل است زیرا که مرسل معنی گذشته شده آمده چون در آن لفظ علاقه مشابهت  
 را گذشته شد پس معنی گردید مجاز مرسل **فصل** مجاز مرسل را اقسام بسیار است **اول** اطلاق کل  
 بر جزوی چون قول وی تعالیٰ - یجعلون اصابعهم فی اذانهم - میگردد اند سرانگشتان  
 انگشتان خود را و گوشتها را خود اصابع در اصل معنی انگشتان است و در اینجا بمعنی اناصیل  
 یعنی سرانگشتان که جزو اند مستعمل شده و **دویم** اطلاق جزو بر کل مثل قول و سبجاء  
 و ادکعوا مع الواکعین نماز کنید بانماز کنندگان ذکر کرد رکوع را که جزو صلاوة است و اراده  
 صلاوة نمود **سپویم** اطلاق بر عام چون قول وی عز و شان انا رسول رب العالمین بدین  
 مایان رسولان پروردگار عالمین ایم ذکر نمود رسول را که خاص است زیرا که بمعنی یکسب پیغمبر باشد  
 و اراده جمیع نمود که عام است و شامل مرئوس را چه **رسم** اطلاق عام بر خاص چون قول  
 وی تبارک و تعالیٰ و لیستغفرون لمن فی الارض طلب غفرت میکند برائے مومنان  
 که ساکنان زمین اند من فی الارض عام است یعنی شامل مرئوسین و کافرین را  
 و ازان اراده کرده است خاص مومنان را **چهم** اطلاق ملزوم بر لازم و لازم ملزوم  
 دوشی را گویند که میان هر دو چنان خصوصیت باشد که بسبب آن خصوصیت بجز فهم ملزوم و باب  
 آید فهم لازم چون شعاع و آفتاب که بجز تصور آفتاب تصور شعاع واجب آید پس آفتاب ملزوم  
 است و شعاع لازم و **مثال** اطلاق ملزوم بر لازم چون قول حق سبحانه تعالیٰ و علی ابدالهم

غشاوة ذکر کرد غشاوه را که معنی پرده است و اراده کرد از ان نابینائی را که لازم  
 است پرده را پس معنی اینست که چشمهای آنها از دریافت حق نابینا شده اند ششم  
 اطلاق لازم بر مضمون مثل قول وے تعالیٰ انک لتکدی الی صراط مستقیم بدرنگه  
 تو آئینه بینائی راه حق را پس ذکر نمود مستقیم را و اراده حق کرد و ششم اطلاق سبب بر سبب  
 چون قول وی جل جلاله ینزل لکم من السماء رزقا و رومی آرد برائے شما از آسمان  
 باران را ذکر کرد و رزق که سبب است و اراده باران نمود که سبب رزق است سبب آنرا  
 گویند که باعث وجود چیز می شود و آن چیز را سبب نامند ششم اطلاق سبب بر سبب مثل قول  
 وی جل جلاله ما کانوا یستطیعون السمع فیتند آنها که توانائی دارند قبول سخن را ذکر کرد و سبب  
 قبول سخن است و اراده قبول نمودیم توصیف شیء بجا لیکه در زمان گذشته داشت چون قول  
 وی عز اسماء و اتوا الیتامی اموالهم بدیهیم یا نرا اموال آنها اهریما و اول مال یتیم  
 بعد بلوغ است یتیم نمی گویند مگر قبل از بلوغ پس توصیف بر یتیمی و حال دادن مال باعتبار  
 حالیکه سابق داشت صادر شده و هم توصیف شیء باعتبار مایه اول یعنی حالیکه بعد از زمان  
 تکلم عارض او خواهد شد مثل قول حق جل و علا فبشرنا به غلام حلیم پس بشارت  
 دادیم او را یعنی ابراهیم علیه السلام را پس حلیم یعنی بر دبار و صفت کرد پس را  
 به علم پیش از وجود او باعتبار اینکه بعد از وجود و موصوف به علم و بر دباری خواهد شد یا زویم  
 اطلاق حال یعنی مظهر و بر عمل یعنی ظرف چون قول وی جل جلاله نفی رحمة الله  
 هم فیها خلد و ن پس رحمت خدا یعنی در جنت آنها همیشه باشند گانند ذکر نمود رحمت  
 را که حال است و اراده کرد بهشت را که محل رحمت باشد و او زویم اطلاق محل بر مال  
 یعنی ذکر کند ظرف را و اراده نماید مظهر را مثل قول حق جل ذکره و اسئل العتره یتیم

کنا فیہا سوال کن مردمان دیہی را کہ بودیم دران دیہ ذکر کردیم کہ مردمان است  
وارادہ نمود مردمان کہ منظوف اندیشہ و ہم تسمیہ شی بہ اسم آہ آن چوں قول وے تعالیٰ  
وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ و نفرستادیم هیچ پیغمبر را مگر بلفظ و  
محاورہ قوم او ذکر کردسان را وارادہ کرد گفت و محاورہ را کہ لسان آہ آن است ہمارا و ہم  
تسمیہ شی بہ اسم مذکور قول وی جل ذکرہ فبشر ہم بعد اب الیم لہ ہمارا کہ  
یعنی خیر خوش کنندہ است و ہم را و در بنما ہنر ناخوش کنندہ باشد زیرا کہ خبر بہ عذاب دردناک  
ناخوش کنندہ است یعنی خیر بدو نہ آید اب الیم ہمارا و ہم نسبت فعل بہ سوی چیزیکہ  
صدور آن فعل از ان چیز صیح باشد چوں قول وے تعالیٰ فوجد اینہا جدا سرا  
پرید ان ینقض پس یافتند ہستی و خضر علیہا السلام دیواری را کہ ارادہ افتاد ان وارد

## تشریح اور ہیئت اجتماعیمہ

یا

## فلسفہ تشریحیت

انسان اور حیوان میں فرق یہی ہے کہ حیوان پیدا ہوتے ہی اپنے حمل لازم و اور ضروریات کے  
ہو جاتے ہیں۔ ان اتنی بات ہے کہ اسکی فطرتی طبیعت محدود ہوتی ہے۔ صرف وہیں تک جہاں تک اس کے لئے  
فطری ضروریات ہیں۔ اس سے وہ ایک انچھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جسے گھوڑا جس وضع پر اس کی فطرت میں قدم  
رکھنے دے پس انسان کے عہد میں ہو گا ویسا ہی آج بھی موجود ہے۔ اس میں ذرہ بھی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ ایک نئے کا  
گھولہ کیا ساے حیوانی زندگی کا ہی عالم ہے۔ اس کی لمبی ہے کہ انکی ضرورتیں ابتدائی روز پیدایش سے تادم  
وہی رہیں گی۔ اس قدر علی آتی ہیں۔ جس قدر کہ انکی فطرت کا تقاضا ہے۔ اس ضرورت میں ان کی کجانی ہو

جلد

یہی بتاتی ہیں کہ ان کے قوی مائی اور دماغی ایسے نین پیدا کئے گئے کہ زندگی کے اپنے لوازمات کے ساتھ ساتھ اپنے لازم زندگی کو بھی بڑھاتے چلے جائیں مگر انسان کی یہ بات پسینہ ہے۔ وہ پیدا ہوتا ہے ایک شخص جس میں اگرچہ قوی جسمانی اور دماغی وراثت ہوتے ہیں مگر پہلے ہیں وہ کچھ ہی کام نہیں دیتے۔ اس کو فائدہ صحر بھی اپنے کو اہم ضروریہ کام نہیں ہوتا۔ اس وسیع عالم میں جان اپنے فطرت اور اپنے اہل سے جس سے بہت ساری اور بھاری لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ ابتداً ایک نئی وگوش جہاں کو قدم دیتا ہے اسے سلام ہی نہیں دیتا کہ اسے کیا کہئے؟ ابتداً تین چار سال کی عمر تک گزر جاتا ہے کہ وہ اپنے منہ میں نہ دیکھ سکے اس کے قوی جسمانی کی گولہ چلتی ہے۔ لہذا بعد تربیت و تعلیم کا برس اس کے ہمراہ ہوتا ہے۔ پھر یہ ماہر اس وقت تک اس کے ساتھ رہتا ہے کہ وہ اپنے اپنے اور وہ خود کوئی اور نتائج سے انجام دینی اور ہر ایک کام کی پہلائی اور برائی کو نہایت سے وہ جو بہت و تعلیم سے بہت نصیب ہوتے ہیں وہ ان فائن ہونے کے خاصہ کہ ان میں اور دوسری بات ہیں کہ یہ تیز ترین ہوتی۔ وہ من کا کچھ پتہ اور کچھ کئی کر سکتے اور اہل و عوام پر چلے جاتے ہیں۔ یہ اس بڑی عظمت کے لئے کہ وہ لاکھ لاکھ قرآن حکیم ان کے اسی خاصہ پر نظر فرما کے حکم لگاتے ہیں۔ یہ لاکھ لاکھ لاکھ لاکھ افضل و شریف الہی (یہ وہ ہر ڈاکٹر کے مانند لکھ ان سے بھی بدتر ہیں) ایرانی کے شہر شاعر۔ اور فیض اور بزرگوار چاند۔ بزرگوار شاعر علی الدین سعدی شیرازی مذکور لاکھ ترنیں لکھ کر وہ چاہتے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں۔

پھر آدم از علم یاد کمال نذر مشقت و جاہ و مال و مالہ  
سے صاف شہر ہے کہ آدمی انسان بنام تربیت تعلیم پر پھر ہے جیسا کہ تربیت و تعلیم ہی انسان  
یہ وہ دلیلا ہی قابل عظمت اور ایک بنیاد یا شریک اور بنیاد ہو گا۔

انسان کا ایک بوجہ جب درجہ بڑھتا ہے بالکل جاہلی رہتا ہے۔ اسے نہ معلوم ہوتا ہے کہ میں کون ہوں۔ اور جب کچھ نہ پانچے اور معلوم رہتا ہے کہ میرے آسمان پاس کیا ہے اور مجھ کو ان مخلوقات کے خلق کیا گیا کہ لازم ہے اگر اس تعلیم نہ ہو تو وہ دلیلا ہی ماوان اور جاہلی رہ جائے گا۔ جیسا کہ اس کو دیکھ کر کچھ حریف و ہنرمندان کہتے ہیں کہ ان ضرورت کے پس منظر میں کہ قوی تعلیم کے ساتھ ہی تعلیم و استعداد ہو۔ ان سے کون تار ہے۔ اور اپنے دشمن کے ساتھ دوست کے لئے دماغی و فطرتی سے اہل و عوام کے ان خواہشات اور کرنے کو چاہو۔ اس کے سوا نہ معلوم ہو گا کہ میں کون ہوں اور میرے کیا کون چاہئے۔ تو وہ اپنے اپنے من کے بڑوں کو من کرے گا۔ مگر یہ کہ اس میں ہوتا ہے کہ تربیت یافتہ لوگ اپنے سوانح زندگی کو صرف اپنے آپ کے لئے ہی دے دینے لگتے ہیں۔ اور لاکھ لاکھ ان سے فائدہ اور فخر اور اپنے کاموں سے دیتے ہیں۔ پھر ان تجارت کو ہی اپنے اپنے کاموں سے دیتے ہیں جب انسان با شکر ہو کر ان متعدد انسانی تجارت کو سمجھ کر ان شرع کیا ہے تب سے

دنیا میں شائستگی کو نہ پہیلے لکھے۔ اور اسی مجرور تجارب کا نام ہے "تمکنت" یا "تدنیہ" جو ان گنت ممالک میں ہمارے جو دینچہ یہ ہے۔

۵

روشن بخش اگر نور نہ تیرا ہوتا۔ جس عالم احسان میں ادھر جڑا ہوتا۔

تربیت کا نام جسے یہ ہے کہ بچہ کی ایسی تربیت ہو کہ وہ میں و مردانہ محبت و قوم و اولیٰ میں پیہر ہو جائے۔  
 میں بخوبی اپنی زندگی کو سمجھے۔ پس تربیت جیسا کہ اختلاف کے باعث ہر قوم ہے۔ ایک جسمی کی ویسی تربیت نہ ہوگا۔  
 جسمی کہ ایک قوم میں گئی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جسمی کے عیلا کا اقتدار و دین کے عیلا کے اقتدار کے خلاف ہے۔ ایک قوم یا قوم کا یکسر وہ اپنے وطن اور اپنے علم کے ذریعہ میں تمام علوم و معارف کو سنبھال کر رکھتا ہے کہ قوم کے دینیت یا تمدن میں شریک حال ہو اور قومی زندگی کا ایک عنصر ہو کر رہے۔

تربیت و تعمیر میں ایک بچہ یا ایک فرد کی زندگی کا ایک اہم حصہ بن جاتا ہے۔ ابتدا میں فانی عالمی زندگی تربیت اور باقی حلقہ حرکات کے لئے مخصوص ہوتے ہیں پھر تیسرے سال سے چھوٹی اور بیسویں سال اور اسکے بعد تک وہ اپنی قوم کے تجربے اور اسکے علوم و فنون حاصل کرتا ہے اسکے بعد تدریج قوت و اثرات اور یہ میں شریک ہونے لگتا ہے۔ حیثیات ادبیہ سے ہماری مراد وہ تمام قومی اعمال اور آرائی اور تقاضات ہیں کہ جن میں قوم کا ایک فرد واحد شریک ہوتا ہے۔

علم الحیات میں یہ تحقیقی شدہ بات ہے کہ ایک لفظ کو چنے زمانہ نشوونما میں اسی قدر درون کا ملے کرنا لازم ہے کہ جس قدر دور سے اسکی جنس اپنی ایام نشو و ارتقاء میں لے کر چلی ہے۔ مثلاً ایک انسانی لفظ

ایک لڑکے کو اپنے محیط میں زندگی بسر کرنے کے لئے کس طرح طیار کرنا چاہئے

کے بعد دیگرے اپنے جنس کے ان تمام انواع کی تعمیر ہوتا ہے کہ جسے وہ پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ تربیت و تعلیم کا ہی ہے۔ تربیت سے ابتدا لڑکے میں قوم کی عقلی تاریخ کا نشو و نما ہوتا ہے۔ اور اس نشو و نما کے بعد وہ وقتہ وقتہ قومی تجارب اور اکتشافات اور سائنس و معارف کو اس غرض سے جاننے لگتا ہے کہ آئندہ دیگر اپنے اہل خاندان اور اہل وطن کا شریک حال ہو سکے کہ انسان اپنی قوم کا ایک جزو ہے اور اسکی زندگی کسی ایسی اس قومی مجرور کے بوجہ نہیں قائم رہ سکتی۔ اگرچہ کہ قوم کی ہمیشہ فائدہ باقی رہنے کی لئے لازماً مسلسل تبدیلی کا تسلسل لازمی ہے مگر صرف اسی تسلسل سے قومی حیات باقی نہیں رہ سکتی بلکہ اسکے قیام کے لئے مسلسل عقلی کا تسلسل ہی ہونا چاہئے جس طرح ایک بچہ اپنے آباء و اجداد کے گوشت پرست اور خون کا وارث ہوتا ہے اسی طرح اس کا تسلسل ہی ہونا چاہئے جس طرح ایک بچہ اپنی وارث تیرے ہے۔ اس صورت میں اگر یا تربیت و تعلیم کا وسیع وسیع ہی ہو اگر ایک لڑکے یا ایک فرد کو اس طرح طیار کیا جائے کہ وہ اپنے قومی

فرد ریات کے ادا کرنے کے لئے پورا پورا استعداد ہو۔ اور ہمارا موجودہ مونیو (کلیک) اپنے تربیت اور ہیئت اجتماعیہ اس امر کا تقاضا ہے کہ ہم تین امور یا بحث پر غور کریں۔ چنانچہ وہ یہ ہیں۔

(۱) محیط ادبی کن باتوں سے وجہ پذیر ہوتا ہے۔

(۲) ہیئت اجتماعیہ پر تربیت کا کیا اثر ہوتا ہے۔

(۳) ان باتوں کے نتائج عملیہ۔

اب ہم ان تین امور پر الگ الگ بحث کریں گے۔

اوکلا۔ محیط ادبی کن امور سے وجود پذیر ہوتا ہے۔

انسان کی عاقلہ تو تین تین ہیں (۱) احساس (۲) ادراک (۳) ارادہ۔ دہلے احساس کے

ذریعہ ہر ایک بات کا شعور پیدا کرتا ہے۔ ادراک سے جانتا، اور قوت ارادہ کے وسیعہ عملیہ ہوتا ہے اور ان تینوں قوتوں کے تابع کئے اور ملتا ہوا رہتا ہے۔ جن میں سے کوئی احساس کا کام دیتا ہے۔

کوئی ادراک پر آمادہ کرتا ہے۔ اور کوئی شناسائی کو باقی ہے اور کسی سے ارادہ عملی صورت لیتا ہے۔ تربیت صحیحہ کی غرض صحت اس طرح ابتدائی تین اصول بنیادی ہے جس طرح انسانی قوتوں کا شعور تین ہے۔ اور یہ ابتدائی اصول بنیادی یہ ہیں :-

اوکلا۔ خوبی اور خوبصورتی کی محبت۔ برائی اور بدصورتی سے نفرت (اس کا تعلق احساس ہے)

مثلاً لیا۔ اصلیت اور حقیقت کی تحقیق اور غیر اصلیت اور قوہم سے پرہیز کرنا (یہ ادراک سے تعلق ہے) ثالثاً۔ فضیلت کے لئے عملیہ ہونا اور رذیلیت کو چھوڑنا (اس کا تعلق ارادہ سے ہے)

انہیں تین صفات کمالیہ۔ حقیقت، فضیلت اور خوبی کے لئے ہر ایک اعلیٰ خیال انسان در

دہوپ کرتا ہے۔ اور اسی تین ارکان قویہ شناسائی کو ان کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے جلد مختلف علوم و معارف کی یہی غرض ہے کہ ہمیں ادراک "حقیقت" ہو اور تمام فنون و اصناف اعلیٰ اتنا ہے کہ

"ہم میں جمال (خوبی) کا احساس پیدا ہو جائے اور اس کی صورت کو ہم محسوس کر سکیں" ہر بے اقوم اور اشخاص کے اعمال کی غایت یہی ہے کہ انہیں "فضیلت" حاصل ہو۔

اب ہم اپنے ایک نقشہ درج کرتے ہیں اس سے صافہ واضح ہو جائے گا کہ محیط

ادبی کن چیزوں سے مرکب ہے اور وہ یہ ہے :-

# علوم

## علوم ماویہ

### علوم غیر حیویہ

طبیعیات  
طبقات الارض و معدنیات  
جغرافیہ  
کیمیا  
فلسفیات

### علوم حیویہ

علم حیات (نبات و حیوان)  
علم وظائف الاعضاء  
علم تشريح  
علم انسان  
طبقات الامم  
علم الاجتماع (سینسیات)  
علم الاقتصاد

### علم النفس

منطق  
ماوراء المادۃ  
فلسفہ ادبیہ  
ریاضیات  
علم زبان

### علوم عقلیہ

ہندسہ  
حکاکی (عام صنعتیں)

# فنون

صنعتی  
درستی

علم ادب  
غریب

اصول دستہ و سلطنت و حکومت  
توانین حق و رعایا و عدالت  
علم سلوک (سینسیات) (سینسیات) (سینسیات)  
علم تاریخ  
سینسیات (سینسیات) (سینسیات)

# سائنس و صنعتیں



حکومت

علم شہر میں عقل انسانی کے اس غور و غوض کا جو وہ ان مظاہر وادیم و تعلیم کے نتیجے میں کام میں لایا ہے کہ جس کے بیچ وہ زندگی بسر کرتا ہے۔ علم کی غرض اصل یہ ہے کہ حقیقت نفس لامری تک پہنچے ہو۔ ایسا جیسا کہ اب تک انسان سمجھا چلا ہے وہ چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک جو جس اور ایک حاکم اور ایک روح اور علم کے بھی دو قسم ہیں۔ ایک علوم عقلیہ اور آگے علوم نفسیہ۔ سب سے پہلے جب انسان خارجی دنیا پر نظر ڈالتا ہے تو اسے مادہ اور مادہ کے ظاہر یا مظاہر نظر آتے ہیں۔ اور جب وہ اس کے خلاف اپنے ذات کی جانب متوجہ ہوتا ہے عقل اور مختلف قوانین کا جذبہ اسے دکھائی دیتا ہے۔ اور مادہ کے بھی دو قسم ہیں ایک نام عضو یا باحیہ (زندہ ہے) اور یہ وہ چیز ہے کہ جس سے ایک زندہ مخلوق (عام معنی مراد ہے) کے تمام اجزاء اس طرح باہم ربط اور ضبط پیدا کرتے ہیں کہ جس سے اس مخلوق کے سامنے شہر کی زندگی اسی ارتقاء و انقباض پر منحصر ہوتی ہے۔ جیسے حیوانات اور نباتات کی زندگی۔ اور دوسرے کا نام غیر حیوان یا بیجان (بیجان) ذات ہے جس کے اجزاء باہم ارتباط و انقباض نامہ کے ہرے نہیں رہتے۔ جیسے طرح طرح کے جمادات۔ اگر جمادات میں سے ایک کو کوئی جز کمال لیا جائے تو سامنے چیز کو کہہ ہی نقصان نہیں ہوتا۔ اور یہ ذات کائنات حیدر کے بالکل برعکس ہے۔

سب سے پہلے انسان مادہ و مکہ و خاص دریافت کیا جس سے حکیم الطبیعیہ پیدا ہو گیا۔ پھر ایک بار دیگر علم طبقات الارض۔ علم معدنیات۔ علم جغرافیہ۔ علم کیمیا۔ اور علم فلک تحقیق اور تدوین ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کائنات حیدر پر غور و غوض کرنے لگا۔ اس غور و غوض کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم نباتات اور علم حیوانات پیدا ہو گئے۔ اس کے بعد آگے تاثرات علم فلک و انقباض و انقباض و افروزی (و جی) اور علم تشریح یعنی علم ترکیب اعضاء و تشکیلات حیوانی۔ اور علم الانسان اور علم طبقات الامم اور علم الاجتماع (سیاست دان) اور علم الاقتصاد اور نیکیں الکافی ایک دنیا میں وجود ہوا۔ جب انسان کو خارجی دنیا کا استفادہ تمام و اہمیت علم ہو گیا وہ اپنے ذات کے جانب متوجہ ہوا اب وہ اپنے ذات کے عقلی عرفان حاصل کرنا شروع کیا۔ اس تحقیقات سے علم النفس کا ختم و سامان آیا۔ بعد میں وہ ظاہر یا مظاہر نفس اور اس کے اعمال پر غور کرنا شروع کیا جس سے فلسفہ منطوق۔ اور علم نباتات۔ اور ریاضیات وغیرہ تحقیق ہو گئے۔

انسان صرف علوم یا حقائق کے فراہم کرنے ہی پر بس نہیں کرتا بلکہ اس کو اس میں بھی ضرورت ہے کہ وہ ان حقائق کو اعمال سے تطبیق دیکر ان سے استفادہ ہی حاصل کرے۔ اس بارہ خاص میں بڑا کام منتظر ہے کہ اصلیت یا حقیقت کے جاننے سے بہتر یہی وہ کسی کام میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ اس کی وجہ اس کی زندگی کے ضرورتیں اور خود اس کی زندگی ہے کہ زندگی سب سے مقدم ہے۔ پھر عمل کے بعد اس کی عقلی اور تخلیق کرنے

فلسفے اور اس سے اس کے علم اور اندیکہ استخراج کو کہتے ہیں کہ فہم۔ چنانچہ اسے کام آئے۔ یہ وہ جسے کہ دنیا کا ایک ایک علم ایک پیشہ سے متعلق ہے۔ طبیعیات اس علم ہند سمے متعلق ہے جو کون کے بنائے اور درست کرنے اور انکو کام میں فلسفے سے خصوصیت رکھتا ہے۔ علم طبقات الارض اور علم معدنیات زمین کے طبقوں کے اسرار سے خاص ہیں۔ کیمیا کا دخل اکثر صنائع میں ہے۔ فلکیات اور جغرافیہ کی ضرورت جہاز رانی کے متعلق ناگزیر۔ علم التشریح اور فزیالوجی تو طبیب کے مطلب کے بنیاد ہیں۔ سلطنت اور فرمانروائی اور حفظ اس علم کے علوم اجتماعیہ کی سخت ضرورت ہے۔ فلسفہ ادبیہ تو عام انسانوں کے باہمی تعلقات کے لئے لازمی ہے۔ علم تو فزیرہ و فزیرہ کے کام آتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سہل علم کا بھی حال ہے۔

علم کی اشاعت سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں: سب سے پہلا اور عام فائدہ یہ ہے کہ وہ ایک متعلم کو کائنات اور انسان کے متعلق حقائق ابتدائہ و جدیدہ کو تعلیم دیتے ہیں کہ جسکے بغیر کچھ نہیں سمجھتے وہ یہ جان جاتا ہے کہ ان لوگوں اور مشیخ کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرے۔ اچھے سوا اور بھی کئے خاص فوائد ہیں۔ مثلاً علوم مادیہ ہی کو سمجھے۔ ان سے انسانی قویٰ غور و تدبر و استنتاج کی ایک گونہ عشق ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ عشق ذہن اور عقل کو ایک خاص محنت سے عام معاملہ نگ اور عام معاملہ سے خاص معاملہ نگ و سالی کرنے کے لئے ہر ہو دوسرے۔ پھر اس سے ترتیب و تنظیم انکار میں ہی بخوبی مدد ملتی ہے اور اس مدد کے ذریعہ ایک شخص اپنے عادات و واقعات کو بلیک اینڈ میں کے درجہ پر رکھ سکتا ہے۔ ذرا علم عقلیہ ہی پر غور کریں ڈاکو کہ کس طرح وہ انسان کو اسکے قویٰ نفسی کی شناسائی دلاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ کچھ لوگ انسان کو حقیقت تک پہنچا جاتے ہیں۔ انکا فاضلہ و تہذیب کہ فرزند آدم مبدیہ و مرجع کائنات کے متعلق غیب خوب معلوم کہتے ہیں۔ اور انکے وسیلہ انکا حال مختلف انسانوں کے اخلاق اور انکے طبائع کو جان جاتا ہے وہ اس شخص کو فضیلت اور جمال کی ماہیت اس عرض سے سمجھتے ہیں کہ وہ ان وہ نون کا محبوب اور اپنے رمل کرنے والا ہو۔

**فنون**

فنون احساس کا نتیجہ ہیں تمام فنون اپنے مختلف اشکال کے ساتھ خوبی کے معنی کو کل صورت میں بظاہر کی کو مستحق کہتے ہیں۔ خوبی کے جاری مراد جمال ظاہری ہے۔ اور جمال ظاہری وہ ہے کہ ایک چیز کے اجزاء میں اس طرح تناسب پیدا ہو کہ دیکھنے سے نفس کو ایک مسرت معلوم ہو پھر اس تناسب کے باعث سادے مجموعہ میں بھی معنی کا لہر یا صورت کا لہر پیدا ہو جائے۔ رومن لوگوں کا مطالعہ کہ کون سے مراد چند جزئی معانی سے ایک کلی معانی کا انکا نامراد ہے۔ اصلی فنون بلکہ میں ہندو سہاری۔ حکاک۔ معصوری۔ موسیقی۔ علم ادب۔ ان سب کی عرض اصل یہی ہے کہ جمال ظاہری کی تقویر

یا تمثیل کچھ کے سامنے پیش کر دے۔ مگر ایک ہندسہ مہادی انسان کے لئے ایک فائدہ حسیہ عائد کرتا ہے۔

بعض انسانوں نے فنون کے ساتھ دین کو بھی اضافہ کیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جس فن میں عہد اطف و وجدان انسانی سے پیدا ہوتے ہیں اس طرح دین و مذہب کا بھی حال ہے۔ گویا فنون اور مذہب دونوں ایک ہی مصلحت اور منبع سے نکلے ہیں۔ فنون اگر وجدان جمالی ظاہری سے پیدا ہوتے ہیں تو دین وجدان شعور آسمانی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس صورت میں دین کا اصل یہ ہوتا ہے کہ دین ان خیالات کا نام نہیں ہے ایک انسان اپنا اعتقاد رکھتا اور اپنی عقل کرتا ہے بلکہ اس وجدان شعور کا نام ہے جو وہ اس کائنات کے بارے میں اپنے اندر رکھتا ہے۔ گویا اعتقاد اور عقل دونوں وجدان کے تاج ہیں۔ مگر محبت اور سچ کے گوتہ ہیں جو جس سچ پر کہیں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ فنون جمیلہ کے جانب چندان لوگوں کا خیال نہیں۔ اور مشرق میں تو انکی جانب کوئی ڈاکہ نہ کر بھی نہیں دیکھتا۔ حالانکہ یہ وہ امور ہیں کہ جنکی تاثیر نفوس پر بہت گہری پڑتی ہے اسکی برای وجہ یہ ہے کہ جمال ظاہری کی محبت شعور و وجدان انسانی کو اور برسر ترقی اور آمادہ کرتی ہے کہ وہ ہر بات میں صورت کا لیدہ کی تفتیش و تلاش کریں۔ اور حسیہ سے خواہ وہ کہیں کیوں نہ ہو نفرت کرنا سیکھیں۔ اور فنون ایک قوم کی زندگی کے لئے لازمی ہیں۔ دنیا کا کوئی قبیلہ خواہ وہ کیسا ہی دھمکی اور ناشائستہ کیوں نہ ہو اگر ایک بھی ایسا نہ ملے گا جو کم سے کم حکاک یا مصوری وغیرہ نہ جانتا ہو۔ آج کل ان فنون میں سے زیادہ اشاعت و عظمت کی ہے کہ جس سے شاعری پیدا ہوتی ہے۔ ہم شعر کے واسطہ اقوام اور اشخاص کے حالات اور انکے طبع اور لہجہ اسباب سرور و کدورت کو بخوبی جان سکتے ہیں۔

## اعمال

انسان صرف فیض و علم کو حاصل کر کے خاموش نہیں رہتا بلکہ ان علم و فنون کو عمل سے تطبیق دینے کی کوشش کی جس تاریخ صرف اسکے تدوین اعمال کا نتیجہ یا نام ہے۔ اور جب صدور اعمال سے تین قسمیں ہیں۔ یا تو انکا ظہور فرد واحد سے ہوا ہو گا۔ یا قوم یا ایک ہیئت اجتماعی کے جانب سے ایک فرد کے اعمال اسکے جلال چلن ہیں۔ اور قوم کے اعمال اس کا دستور العمل زندگی۔ اور دین اجتماعیت کے اعمال شرعی اور قوانین مختلف۔ اب ہم کو ان تمام قسم کے اعمال کے الگ الگ تعریف کرنی لازم ہے۔ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے تاریخ سے شروع کرتے ہیں جو سب اہل ان کے اعمال کے جامع ہے:

(۱) تاسخ پنج چند مشہور انسانوں کے نظریں پر اسے جیسے مشہور انسانوں کی سوانح عمری ہے۔ جو بالظہر اور حکمت کچھ بھی نہیں کر سکتے مگر اور لوگ تاریخ کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ "فی الواقع حیات انہیں کا نام ہے"۔ پھر لکھتے ہیں کہ "تاسخ سے مراد وہ روایت ہے کہ جسکی لوگ تصدیق کرتے ہیں"۔

بعض فلاسفہ جو انسان کے آزاد ارادگی کے منکر اور اسکو مجبور بتلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اعمال انسانی یعنی واقعات تاریخی اسکے ارادہ و اختیار سے نہیں پیدا ہوئے ہیں بلکہ حوادث طبیعیہ ہیں کہ جن کا واقع ہونا لازمی ہے۔ بہر حال تاریخ تدوین واقعات کا نام ہے کہ جس میں مورخ کے شعور و وجدان کا کچھ بھی دخل نہیں ہوتا۔

(۲) دستور العمل قومی۔ اس سے ایک قوم کے اخلاق اور عادات اور عقائد

مجسم نظر آتے ہیں۔ اسکے لئے یہ لازم ہے کہ یہ اخلاق اور عادات اور عقائد طبیعی طور پر ترقی کرتے جائیں نہ یہ کہ ہم ترقی دینے کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا دستور العمل ایسی قوم کے لئے جو زراہی مستعد ترقی نہ ہو کچھ بھی فائدہ نہ دیکھا۔ اسکو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ قوم اپنا دستور العمل آپ پیدا کرے نہ کہ دستور قوم پر اپنا اثر ڈالے۔ پس معلوم ہوا کہ دستور قوم کا تعلق ہے نہ کہ قوم دستور کی تابع۔ وجہ یہ کہ دستور اسکے عقائد کے صورت کا نام ہے۔ دستور العمل اور قوانین رسالہ کی تدوین گویا قوم کے عقائد کا ایک رمز ہے۔ اگر قومی خیالات اور دستور میں اتفاق نہ ہو تو دستور بیکار چلا جاتا ہے۔

(۳) قوانین۔ ان اصول کا نام ہے کہ جنہیں ایک بیہیت اجتماعیہ اس غرض سے بناتی ہے کہ اسکا شیرازہ قائم ہو اور اسکے اعضا بحفاظت رہیں۔ یہ لازم ہے کہ قوانین ایسے ہو گون اسکے جانب سے ایجاد کئے جائیں جو لنگے حملہ آور پر ہی قادر ہوں۔ ورنہ ایسے قوانین کی کیا قدر قیمت جو صرف کاغذوں میں لکھے پڑے ہیں اور رائج نہیں۔

(۴) ایک فرد و واحد کے اعمال۔ ایک فرد واحد جو زندگی بسر کرتا ہے وہ اپنے زندگی کے لئے بطور فرد کچھ قوانین بنا رکھتا ہے کہ جنہر وہ گامزن ہوتا ہے۔ اسکے اعمال کا صالح اور طالح ہونا غلطی اور اتفاق کی وجہ نہیں ہوتا بلکہ ان نتائج پر جو ان اعمال سے پیدا ہو جاتے ہیں مگر اعمال صالحہ سے اس فرد اور سارے بیہیت اجتماعیہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ اور اعمال طالحہ دو تو نہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ لیکن کاموں سے جس بشری کی حفاظت ہوتی ہے اور برے کام اسکو برباد کر دیتے ہیں۔

اب ہم ان خواہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جو نوجوان کو تاریخ اور دستور العمل قوم اور قوانین قوم کے تعلیم کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

اسکا پچھلا فائدہ یہ ہے کہ نوجوان انسان کو بعض بیہیت اجتماعیہ معلوم ہو جاسکے

دنیا کی روش کے دو قسم ہیں۔ ایک تعلیم قدیم اور ایک استنباط جدید۔ لیوڈان میں ہے دوسرا علم وجود اسی وقت ہوتا ہے جبکہ پہلی شق عملدرآمد ہوتی ہے۔ اور یہ طاعت و بیباچہ و غلام و بھید ہے۔ مگر وہ قوم جو صرف قدامت پرست ہو اور استنباط جدید نہ کرے وہ ایک قابل تنزل قوم ہوگی۔ اسکا ایسا اقوام کے ساتھ دو دش بدوش رفتار کرنا محال ہوگا جو علم اور مدنیت میں بہت آگے بڑھ چکی ہیں جو لوگ امریکن یونیورسٹیوں سے کامیاب ہو کر نکلے ہیں دانشمندانہ انکا اور پھر ان میں سے ایسے لائقوں کا شمار کیا جائے گا کہ مشاہیر امریکا کو زیب و زینت دینے کے قابل ہوتے۔ تو انہیں فی جالیس محرمین سے ایک شخص اسطر حکما فاضل نظر آیا۔ اور اسطر حکے جو لوگ اور یونیورسٹیوں سے نکلے ان میں فی دس ہزار ایک ذکر آدمی تھا۔

ثالثاً۔ اس بحث کے نتائج حلیہ۔

۱۔ تربیت سے قوم زندہ ہوتی ہے۔ اور تعلیم اسکا اہم عمل ہے کہ اسی پر اس کے آئندہ قسمت کا دار و مدار ہے۔

۲۔ واجب ہے کہ مدرسہ کی صورت اس وسیع دنیا کا اس طرح ایک چھوٹا سا نمونہ ہو کہ طالب العلم کی حیات مدرسہ اور حیات علیہ میں کچھ بھی حد فاصل نہ رہے۔ پھر یہ بھی ضرور ہے کہ نوجوان میں باہمی تائید و مدد کی بھی حادث پیدا کی جائے۔

۳۔ قریبیت کا یہ اقتضائیں ہے کہ اسکے افراد اپنے ذاتی فوائد کو قربان کر دیں۔ بلکہ مسکن عامہ اور مصیبت شخصیتہ دونوں بایک دگر رفیق بنیں کیونکہ ایک عضو کا فائدہ اس طرح سامنے جم کا فائدہ ہوتا ہے۔ جس طرح سامنے جسم کے فائدہ سے ایک عضو کا فائدہ ہے۔

۴۔ مقام کے ذہن سے یہ بات فرو نہ ہوتی چاہئے کہ کتابیں صرف تجربہ شخصی کے قائم مقام ہیں۔ اور اکثر ان سے بے نیازی بھی نہیں ہو سکتی۔ اسلئے صرف شاگردوں کے دماغوں میں اسامی کثیرہ اور دروازہ کا باتوں کا بہرہ دینا کافی نہ ہوگا۔

۵۔ مدرسہ طالب علم کا گریڈ اور سرگرم ہے۔ اسلئے مدرسہ کا فرض ہے کہ وہ اس گھر کا قائم مقام ہو۔

۶۔ مدرسہ کا فریضہ ہے کہ وہ طالب العلم کو جماعت عامہ اور جماعت خاصہ کے عقائد کے مطابق طیار کرے۔ یعنی ان دونوں اقتصادوں میں سے جس امر کی ضرورت ہو اسکے مطابق لڑے کہ عظیم دے۔ کیونکہ اقوام کے خواہشات اور انکی مستعدی اور حاجتیں اسکے طبع اور حالتوں کے استقامت

کے مطابق یہی محمد عیسیٰ عیسیٰ ضرورت ہو اسباب غل غلطی نہایت ہوتی چاہئے۔

## عقیدہ تثلیث

### صرف عیسائیوں سے مخصوص نہیں

انگلی مختلف اقوام نے اسکو ایجاد کیا ہے۔

مولانا الشیخ محمد عبدہ مرحوم امام المشرق کے شاگرد رشید علامہ السید محمد رشید رضا اپنے پرچہ المنار میں مولانا ی مرحوم کی مہتمم بالمشان تفسیر جیلپ سیچے ہیں۔ جہاں قرآن میں حضرت مسیح کے متعلق عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا بیان ہوا ہے وہاں فرماتے ہیں :-

”یہ عقیدہ صرف کچھ عیسائیوں کا گھڑا ہوا نہیں ہے۔ انگلی قدیم اقوام ہی مختلفہ مالک دنیا میں زمانہ بامی دراز تک اسکے معتقد رہے ہیں۔ جب عیسائیت کی ترقی ہوئی اور قدیم بت پرست عقیدہ تثلیث کی مانتی والی اقوام دائرہ عیسائیت میں قدم رکھنے لگیں۔ انہوں نے قرأت اور انجیل کے بعض متباد الفاظ کو اپنے عقیدہ اور خیال کے مطابق الٹ پلٹ کر تثلیث کو کھرا کر دیدہ گویا دیدہ و دانستہ تحریف کے توحید کو جو ان کتابوں کے اندر موجود تھی ایک لخت بھلا بیچھڑا لنگے بعد سے یہ ناپاک عقیدہ عیسائیت کا جزو بن گیا اور اب اسی پر دین عیسوی کا دار و مدار ہے اس راز کو علم تائیں گے یورپین عالمان ہی نے دریافت کیا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں انگلی تحریرات اسطرح ہیں :-

ایک مورخ جسکا نام مودریس ہے اپنے ”آسٹار حندیر قدیمہ“ کے چھوٹے جلد ۳۵ میں صفحہ ۱۱۱ لکھتا ہے۔ ”قدیم بت پرست کے جتنی مذہبی تعلیمات تھیں ان سب میں تثلیث کا عقیدہ موجود تھا۔“

ایک اور مورخ جسکا نام دوآن ہے اپنی کتاب ”خراغات توہماتہ وغیرہ“ کے جلد ۳۵ میں صفحہ ۱۱۱ لکھتا ہے۔ ”اگر ہم اپنی نگاہوں کو ہندوستان کی جانب ڈالیں تو ہمیں ظاہر ہو جائیگا کہ اہل ہند کی سب سے پرانی عبادت لامورتی عقیدہ تثلیث ہے اور بس۔ یہ سب لوگ اپنی زبان میں اس عقیدہ کا نام ”تری مورتی“ رکھتے تھے۔ یہ فقرہ کوشکرت لفظوں سے

مرکب ہے۔ ایک تری تین کے معنوں میں اور ایک مورثی صورت اور اقنوم اور تری مورثی سے مراد برہما۔ دشنو اور سیوا میں جو اللہ واحد کے اجزاء اور پھر سب ملکر آلہ واحد ہی ہیں یہ

اسکے بعد یہ مولف اس عقیدہ کی تشریح کرتا ہوا لکھتا ہے، اہل ہند تری مورثی کو تین حروف سے تعبیر کرتے تھے۔ ۱۔ و۔ م۔ برہما جو انکے نزدیک خالق کائنات ہے بجای باب کے۔ اور دشنو حافظ اشیائی مخلوقہ بطور بیٹے کے۔ اور سیوا جو ہلاکت اور زندگی کا

بانی ہے۔ بمنزلہ روح القدس کے۔ یہ لوگ کرشنا کو رب مخلص اور روح عظیم کے خطاب سے خطاب کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسی دشنو مید اسوا ہے جو عالم ناسوت میں صرف اسلئے اوتار بن گیا کہ انسانوں کی نجات ہو۔ اور یہ ہی ہندی تثلیث کے اجزاء کا ایک جزو ہے۔

اسکے بعد ہی مولف پھر لکھتا ہے کہ اہل ہند اپنے پیرے اقنوم کی شکل ایک کبوتر کی بتاتے تھے اور یہ بات ہو، جو عیسائیوں کے بیان موجود ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عیسائیوں نے عقیدہ تثلیث کو برہمنوں سے لیا ہے۔ اور اخیر میں لگے اسکو اپنا خاص عقیدہ بنانے۔ لطف یہ ہے کہ باوجود اس اصلیت کے عیسائی برہمنوں کے اس تثلیث کو بخیر سمجھتے اور اپنی تثلیث کو مقدس بناتے ہیں حالانکہ یہ حال صرف لگاتار پرستوں کا ہے۔

فی الواقع ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ برہمنوں کا اصل عقیدہ ہی ابتداءً توحید ہی تھا۔ سب سے پہلا رسول جو اہل ہند کے پاس آیا وہ حقیقت الوہیت کو تین صفات میں بیان کیا، جو ایک صفت خلقت و ایجاد۔ ایک حفظ و امداد اور ایک تصرف عالم کو، و فساد۔ اس میں شک نہیں کہ صفات خالق و مالک کے لئے لازمی ہیں۔ مگر بعد میں چون چون زمانہ گزرتا گیا۔ بت پرست خیالات پیدا ہوتے گئے۔ اور شدہ شدہ زندقہ صفت لوگوں نے ان صفات ثلاثہ کے لئے ایک دیوتا قرار دیا اور اس طرح اسماء صفات اقاہم الیہ اور اجزای الیہ بن گئے۔ چونکہ توحید کا معنی باقی تھا اسلئے اسکی تاویل کرنے لگے کہ خدا تو ایک ہے مگر اسکے اقاہم باجزو تین ہیں تاہم تینوں ملکر ایک ہی خدا ہیں۔ آخر یہ عقیدہ اور مشرقی اور مغربی بت پرستوں میں سرایت کر گیا۔

علامہ السید رشید رضا کہتے ہیں، ہندو تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کے لئے کچھ بت بنائے ہیں۔ میں نے ان بتوں کو مقدس شہر بنارس کے میوزیم میں دیکھا جو گورنمنٹ کے جانب سے قائم ہے۔ ایک بت ایسا نظر آیا کہ جبکہ تین موٹہ تھے۔ مورخ مورلیس جو اپنے کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے ایک قدم کھنڈر متوالہ میں تین سروالا ایک بت دیکھا تھا شاید اسطرح حکایت ہو

معلوم ہوتا ہے کہ تین سر ہندو کون کے یہاں تثلیث کا مزمین۔

جس طرح اہل ہند کے یہاں تثلیث کا وجود ہے۔ اسی طرح پیروان بدھ بھی تثلیث کے قائل نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ بجائے برہما۔ وشنو اور شیوا کے بدھ کو خود مثلث الاقائم مانتے ہیں یہی حال اہل چین کا بھی ہے۔ وہ بھی بدھ کو مثلث الاقائم مانتے اور فرماتے ہیں۔

مورخ دوان اپنی کتاب خرافات و اورات میں لکھتا ہے۔ چین میں ایک فیلسوف لادو کنسز انامی گذر ہے۔ اس کا زمانہ مسیح پچاس سال آگے ہے۔ اس کے پیرو ایک ایسے دیوتا کی پرستش کرتے تھے جو مثلث الاقائم تھا۔ یہ لوگ **مادو** کے پیرو کہلاتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ تاؤ دینے عقل اول سے ایک چیز پیدا ہوئی۔ اور اس دوسری نے تیسری کو پیدا کر دیا۔ اور تیسری سے ساری کائنات خلق ہوئی۔

پیروان بدھ کے سوا قدما می مصر بھی تثلیث کے قائل تھے۔ مصر کی ہیکل منیس میں کائنات طابان دین کو جو تعلیم دیتے تھے اس میں کہتے تھے کہ پہلا دوسرے کو پیدا کیا اور پہلا اور دوسرا دونوں ملکر تیسرے کو پیدا کیے اور اس طرح ناولت مقدس مکمل ہوا۔ ایک وقت مصر کا ایک شاہشاہ تو لیسو کاہن تلیشو سے پوچھا کہ تبا سے کہ کیا کوئی چیز ہم سے بھی پہلے تھی اور بعد میں بھی رہیگی۔ وہ جواب دیا کہ سب سے پہلے خدا کی ذات تھی۔ پھر کلمہ۔ پھر روح القدس۔ اور یہ ایک ہی طبیعت

اور خاصیت کے ہیں اور تینوں بالذات ایک ہیں۔ اور انہیں تینوں سے قوت ابدیہ ظاہر ہوئی غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقنوم ثانی کو مصریوں نے کلاؤنگ کے نام سے نامزد کیا ہے۔ بعد میں یہ اصطلاح عیسائیت کا جزو اعظم ہو گئی۔ فلاطون اپنی لاسوئی تعلیمات میں جو جناب مسیح سے کئی سال آگے ہوتی تھیں کلمہ کو الگ ثانی اور جزو فرزند خدا ہی کہتا تھا۔

مورخ بونیک اپنی کتاب قدما می اہل مصر میں لکھتا ہے: "مصری دین میں ایک بات جو تعجب خیز ہے یہ ہے کہ یہ لوگ کلمہ کو لاسوئی مان گئے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اسی کلمہ سے ہر ایک چیز بنی۔ اور کلمہ خدا سے نکلا پھر کلمہ خود ہی خدا ہے۔ (حیرت اس امر کی ہے کہ یہ مٹا اپنی انجیل کو انہیں الفاظ سے شروع کیا ہے)۔

علامہ السید رشید رضا کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اہل مصر بھی لفظ کلمہ کے بارہ میں دہوکہ کھانچے ہیں۔ خدا کے جو رسول ادھر آئے ہونگے وہ تعلیم کئے ہونگے کہ سب کائنات اسی کلمہ (کون) سے پیدا ہوئی۔ بعد میں امتداد امام کے باعث لوگ دہوکہ کھا کر کلمہ کو جزو آک اور



صاحب اقتدار کچھ کہے ہونگے۔ اور یہ فاسد عقیدہ پیدا ہو کر نسل بعد نسل عیسائیوں تک پہنچا ہو گا۔ قرآن کہتا ہے انما امرہ اذا امراد شیعنا ان يقول لہ کن فیکون (جب اسکو مرضی کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتی ہے تو وہ کن کہتا ہے تو فوراً وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے) قرآن کے حق ہونے کی ثبوت کے لئے۔ اگر سامنے قرآن کو بھی نہ دیکھا جائے تو صرف یہی ایک آیت کہ جس میں کلمہ کی حقیقت بیان ہوئی ہے کافی و کافی ہے۔ اس میں صاف طور سے اگلی سب اقوام کی گراہی بیان کر دی گئی ہے جو وہ کلمہ کے متعلق اختیار کئے ہیں۔ اور صاف کہہ دیا ہے کہ کلمہ کہ جسکے لئے یہ سب خیالات گھڑائے گئے ہیں۔ صرف اس سے مراد خدا کا حکم ہے اور بس۔ اور اس میں جہان تک توحید کا ثبوت ہے وہ کبھی کبھی طور سے ظاہر ہے۔

ہندوؤں۔ پیروان بدھ اور جینیوں کے بعد تثلیث کا دھرم قدیم پارسیوں اور دوسرے اہل ایشیا کے بیان بھی پایا جاتا ہے۔ مومن بمبین اپنی کتاب اسٹو سکسن کے صفحہ ۱۶۲ میں تحریر کرتا ہے کہ قدیم پارسی مثنوی و س کو کلمہ اور وسیط اور نجات دہندہ اہل ایران تصور کرتے تھے۔ اس مثنوی کے سوا اور ایک مثنوی لکھتا ہے کہ اہل ایران ایک ایسے معبود کی پرستش کیا کرتے تھے جو مثلث الاقائم تھا۔ اور اسکے تین اجزاء کے تین نام تھے۔ ایک ہور مزاد۔ مقرر۔ ابرہین ہور مزاد تو خلاق عالم ہوا۔ مقرر فرزند خدا۔ اور نجات دہندہ اور وسیط۔ اور ابرہین بادشاہ۔ مگر اکثر تاریخوں سے یہ ثبوت ہوتا ہے کہ پارسیوں کا اعتقاد تثلیث کے عوض تثنیہ پر تھا۔ اور وہ صرف یزدان آلہ خیر اور ابرہین آلہ شر کے قائل تھے۔

کلدانی اور اشوری اور فینیقی اقوام کلمہ پر اعتقاد رکھتے تھے۔ کلدانی کلمہ کو مقرر کہتے تھے۔ اور اشوریوں کے بیان اسکا مردوح نام تھا۔ اور یہ لوگ مردوح کو ایشیا فرزند خدا تصور کرتے تھے۔

ایک اور مثنوی تحریر کرتا ہے کہ جب قدر دینی اجاث مشرقی و سائل سے آئے ہیں ان سب میں تثلیث اور اولہ ثلاثی کا دھرم پایا جاتا ہے۔

ان اہل ایشیا کے سوا یورپ میں یونان اور روم وغیرہ کے لوگ بھی تثلیث کے قائل تھے۔ انکے بیان ایک ایسے معبود کی پرستش ہوتی تھی کہ جسکے تین اقائم تصور ہوتے تھے ایک اور مثنوی لکھتا ہے کہ یونانی ایک مثلث الاقائم خدا کے قائل تھے۔ اور جب تک

# کیس عمر خیام

(سلسلہ کے لئے دیکھو نمبر گزشتہ)

خیام کی زندگی فی الواقع درویشانہ تھی۔ اسکو قناعت میں مزہ آتا تھا۔ اکثر اپنی جاگیر میں رہتا اور نباتات اور مزے و عذات سے مٹا ہوا تھا۔ اس طرح کا فارغ دل اس میں شک نہیں ضرور خدا رسیدہ ہی ہوگا۔ اس قناعت کے باعث اس نے علوم و فنون کی بہت کچھ خدمت کی۔ اور دنیا کو بہت فیض پہنچا گیا۔ مگر افسوس یہ سارا سرمایہ زمانہ کے دستبرد سے نہ بچ سکا۔ اب صرف دو چار سالوں کے سوا کہ جب تک ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں اسکی کسی تصیف کا نام ہی کہیں نظر نہیں آتا۔ جس طرح سعدی سے خاک شیراز کو فخر ہے جس طرح فردوسی کا نام طوس کے لئے مایہ نازش ہے۔ جس طرح نظامی گنجیہ کا نام زندہ رکھنے والے ہیں۔ اور جس طرح خاقانی مطلع شروان کا آفتاب ہے جس طرح حسن کاشی سے کاشان کا نام روشن ہے۔ اسی طرح خیام سے سرزمین نیشاپور کو ناز ہے۔ اس مردم خیز شہر میں جو آج ویران ہے خیام کی قبر ایک سرسبز و شاداب مقام میں ہے۔ ہم کو امید ہے کہ اسکے قبر کا اندرونی حال ہی گھلے بہشت برین سے سراپا رنگاہ ہو رہا ہوگا۔

خواجہ نظامی سمرقندی جو خیام کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں :  
”میں بارہا اپنے استاد سے گفت و شنید کرنے کا فخر حاصل کیا ہوں۔ ایک وقت وہ فرما لگے جہاں ہم جگے تو ہمارا مدفن وہاں ہوگا جہاں شمالی ہوا گلاب کے پھول برساتی ہوگی۔  
مجھے اس پیشگوئی سے بہت حیرت ہوئی تاہم میں سمجھا کہ ضرور ان الفاظ کا کچھ معنی ہے۔ اسکے بعد میں نیشاپور سے واپس ہو کر اپنے معاملات میں لگ گیا۔ اس اثنائے استراحت و ادائیگی کو لبیک ہی کہہ چکے تھے اور انکے انتقال کئے ایک مدت ہی ہو چکی تھی۔ میں پھر نیشاپور واپس ہوا۔ اور استاد کی قبر کی زیارت کو گیا تو دیکھا ہوں کہ قبر ایک باغ کے باہر واقع ہے اور پھولوں

اور پہلون سے لہتے ہوئے درخت باغ کے اندر سے اپنے شاخون کو دیوار پر پھیلا دئے ہیں اور یوں قبر پہلون کی کثرت سے انکھون سے اوجھل ہو رہی ہے :-

قیاس سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دنیا کا مشہور حکیم اور اسلام کا فخر ساٹھ برس سے اوپر زندگی بسر کر کے سنہ گم ہجری یا اسکے ادھر ادھر رہ گرا ہی عالم بقا ہوا۔

خیام کی عام پسندی کی ابھی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہونی چاہئے کہ اسکے رباعیات کا جہان انگریزی اور فرانسیسی اور جرمنی امریکن وغیرہ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ وہاں اب عربی میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ اور یہ ترجمہ بڑا سہ فارسی کا نہیں بلکہ انگریزی کا ہے۔ اس میں **معجزہ** رباعیات کو رباعیات میں ترجمہ کیا ہے۔ یعنی ایک ایک رباعی کے مطلب کو سات سات مصرعون میں لیا ہے۔ پہر ہی خیام کی رباعی کا مزہ نہیں آتا اور نہ فارسی رباعی کا وزن ہے۔ اصل یہ ہے کہ عربی میں ہمارے یہاں کے رباعی کے اوزان نہیں ہیں۔ اس سے نکتہ دان سمجھ سکتے ہیں کہ کسی فقہ اور کہانی اور خاص مطلب کا ترجمہ کسی اور زبان میں کرنا آسان ہے مگر شاعری کے نکات کو باقی رکھ کر اسکو اور زبان میں لینا ناممکن کیا محال ہے۔

اب ہم نمونہ کے بطور بیان پر اصل فارسی کی ایک رباعی کے ساتھ عربی سبھی بھی درج کرتے ہیں تا اصل اور ترجمہ دونوں کا فرق ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ دونوں یہ ہیں :-

## فارسی

از جرم حسیض خاک تا اوج زحل  
کردم ہمہ مشکلات گردون زحل  
بیرون جستم ز بندہ ہر گمرو میل  
ہر بندک وہ شد مگر بندہ زحل

## ترجمہ عربی۔

دخل کان مؤطی اذ رحلت      بخالی وفي السماء حلت  
وصعبا من مشکلات حلت  
واجتليت النواضل لممات      ولعت الحقائق السافرات  
غيران الاآجال والموت نھا      ذاك ستر لنزع عنه نقابا

# سرحیات

گزشتہ حصے پرستہ

مادہ ذکورہ پھپھتا ہے۔ جیسا کہ حیوانات اور نباتات کی سنت جوالدہ و تناسل ہے۔

انڈے میں مادہ ذکورہ کے داخل ہونے سے پیشتر ایک تغیر قبولیت مادہ ذکورہ کے لئے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ مادہ اس میں داخل ہو جاتا ہے تب ہی تغیر کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ پہرہ بنیہ و دھنوں میں تقسم ہوتا ہے اسکے بعد دو کبے چار حصے ہوتے ہیں۔ اور یہی سلسلہ لگ جاتا ہے۔ بعد میں غلیات کے اندر ایک قومی شکل پیدا ہونا شروع ہوتی ہے جس سے ان میں باہمی فرق پیدا ہوتا ہے۔ اور اس فرق کے بعد اعضائی مختلفہ بننے لگتے ہیں۔

انہیں سمجھانے کے لئے صرف مختصر سا بیان لکھ دیا ہے۔ ورنہ اسکے لئے علمی تجارت کی ضرورت ہے۔

انسان کا جو لطفہ پیدا ہوتا ہے وہ ابتدائی حالت میں ایک کیڑے کے لطفہ سے کچھ بھی الگ نہیں ہوتا۔ ایک کیڑے کے لطفہ کے لئے ہی اس طرح مادہ ذکورہ کی ضرورت ہے جس طرح انسانی بیضہ کے لئے لطفہ کی اس عالم خلقت میں جو جو تغیرات ہوتے ہیں وہ پورے طور پر ویسے ہی ہیں جیسے کہ ایک کیڑے کے لطفہ کے تغیرات۔ ان فرق اتنا اکتہ ہے کہ انسانی لطفہ بہ نسبت ایک کیڑے کے لطفہ زیادہ اجزاء سے مرکب ہوتا ہے۔

اب علماء یہ کوشش کر رہے ہیں کہ مادہ ذکورہ کی بیضہ کے بارور کرنے کے لئے جو ضرورت ہے وہ باقی ہی نہ رہے۔ بلکہ اسکے عوض ایک ایسے کیمیائی مادہ سے کام لیا جائے جو مادہ ذکورہ کا سا کام دینا ہو۔ پروفیسر لوہب صاحب اپنے تجارت کے جہان تشریح کرتے ہیں وہاں فرماتے ہیں:

”کیا ممکن ہے کہ ہم مظاہر حیات کی ایسی تعمیل کریں جو صرف اصول کیسیا اور اصول فلسفہ طبعیہ پر مبنی ہو اور کسی اصول کا اس تحقیقات میں نام نہ رہے؟ سب سے پہلے دو علماء۔ لاوازیہ اور لابللاس اس تحقیقات کے جانب متوجہ ہوئے۔ ششہ امین انہوں نے ثابت

کرن شروع کیا کہ جسم انسانی کی حرارت ایک چراغ کی حرارت کے مساوی ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے جو کابانک گیس اٹھا کرتی ہے وہ ایک ہی ہے اسکے بعد بہت سے علماء انکی پیروی کرنے لگے۔ اس میں شک نہیں کہ اصول طبعیہ پر معنی حیات کا تاجا جانا نہایت اجتماعیہ کے موجودہ طرز کو بالکل بدلا کر کہہ دیگا جس سے سارے قوانین اور شرائع کا بدلانا اور ایک فرد واحد اور ایک جماعت کے زندگی کے لئے نئے اصول کا قائم کرنا لازم ہوگا۔

یہ تو معلوم ہے کہ ایک بیضہ اس وقت کم نشوونما نہیں پاتا جب کہ اس کے اندر وہ غلیہ نہیں داخل ہوتا کہ جس میں ایک ننھا سا کڑا موجود ہے۔ یہاں پر سوال یہ ہے کہ اس مادہ ذکورہ کی اس بیضہ پر کیا تاثیر ہے اور کس طرح یہ مادہ اس بیضہ کو بارور کرتا ہے؟ آج سے دس برس پیشتر اس سوال کا جواب ناممکن تھا۔ مگر اب ہم بیضہ مونثہ کو کیمیا کی کے ذریعہ اس طرح بارور کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں جس طرح فطری مادہ ذکورہ بارور کرتا ہے اور اسکا بھی ہم نے ثبوت دیدیا ہے کہ اس کیمیائی مادہ کا عمل بھی فطری مادہ ذکورہ کے برابر برابر ہے۔

تجس وقت مادہ ذکورہ بیضہ کے اندر داخل ہوتا ہے۔ بیضہ کے چاروں طرف ایک جھلی پیدا کر دیتا ہے۔ اس جھلی کا نام غشاء التلیخ ہے (یعنی وہ جھلی جو مادہ مونثہ اور مادہ ذکورہ کے ملنے سے پیدا ہوئی) ہم نے چند مصنوعی گیسوں کے ذریعہ بیضہ کے اوپر اس جھلی کے پیدا کرنے اور اسکو ایک قبیل سی مدت تک ایک ایسی سیال کہ اندر رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے جو سمندر کے پانی سے بھی زیادہ گاڑھا تھا۔ اسکے بعد اس بیضہ کو سمندر کے پانی میں رکھا گیا۔ یہاں اس میں نمو طبعی ہونے لگا۔ اور ایسا ہی دوسرے حیوانات کے متعلق بھی کیا گیا۔ اس سے مجھے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مادہ ذکورہ کا عمل ہمارے مصنوعی مادہ کیمیائی کے ٹھیک مشابہ ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ مادہ ذکورہ میں دو مادے شامل ہیں۔ ایک کابانک گیس کے جیسا کوئی ترش مادہ۔ اور دوسرا یہ کہ وہ کسی ایسے گاڑھے سیال کا سائل کرتا ہے جو سمندر کے پانی سے بڑا کثیف ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کس طرح اس تدبیر سے بیضہ منور کرتا ہے تو میں جواب دوں گا کہ اس مادہ کا اس میں پہنچانا اسکے حرکت کو بڑا دیتا ہے یعنی یہ مادہ کیمیائی چارگونہ سے لیکر چبے گوشت کبجین سے اتھا دیا جاتا ہے۔ میں خود دیکھ چکا ہوں کہ جب کبجین کو بیضہ سے بند کر دیا جاتا ہے تو اسکا نشوونما رہتا ہے۔ اور جب کبجین کی رسائی رکتی ہے برابر بڑھنے لگتا ہے پس ثابت ہے کہ حیات کبجین کے وجود پر اس طرح موقوف ہے جس طرح موت اس کے نہونے سے پیدا ہو جاتی ہے۔

## خلاصہ بحث

یہ کہ اگر ہم ایک خلیہ کو رکھ کر اسکی کیمیائی تحقیقات کریں گے تو ثابت ہو جائیگا کہ وہ چند ایسے مواد سے مرکب ہے کہ جنہیں سے اہم کیمین ہینڈ جن کاربن - اور نیتروجن ہیں - اور عجیب و غریب قوت کا نام و نشان نہیں ہے - تاہم ہر ایک مادہ کیمیائی اور ایک زندہ خلیہ کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے - کیونکہ کیمیائی مادہ وہی نہیں ہے جو خلیہ کا فطری مادہ ہے - اور یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے جو خصائص ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت ہی الگ ہیں - یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی عالم کسی زندہ مادہ کو پیدا نہیں کر سکا - تاہم بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ بات ممکن ہے - وہ امید کرتے ہیں کہ ایک روز ایسا ہی آباگیا جس میں ان حیات کو پیدا کر سکیگا اور ایک بچان چیز کو زندہ کر دیگا - اس میں شک نہیں کہ پروفیسر کاک لوی کے تحقیقات نے ایک میدان وسیع بحث و تجربہ کے لئے پیدا کر دیا اور اس راستہ کو بتا دیا ہے جو ابتدائے تخلیق انسان سے آج تک تاریک پڑا ہوا تھا - اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک روز ایسا آجائے جس میں یہ بات ممکن ہو - تاہم ان قیاسات پر بھی ابھی اس وجہ یہ بات ناممکن سی نظر آ رہی ہے کہ باوجود علوم جدیدہ کے سیکڑوں اسرار طبیعت انکشاف کرنے ہی آج بھی سر حیات سے اسی طرح انجان ہیں جس طرح سیکڑوں برس پیشتر تھے - غرض حیات اور زندگی کا راز صرف ایک خلیہ کے اصلی ماہیت کے دریافت ہو جانے پر منحصر ہے - ایک محقق کیا اچھا کہہ گیا ہے -

”آپ بچہ ایک خلیہ کی اسرار کی خبر دین تب میں آپ کو سارے زمین و آسمان کی رازوں کی کیفیت بیان کر دوں گا“

حافظ شیرازی مقام پر پہنچ کر فرماتے ہیں :-

حدیث از مطرب دے گرد راز دہر کتر جو  
کہ کس نکشود و نکشاید بجلت این مقار

(رسائل سچا)

کس امر میں ایک دانشمند کو متوجہ ہونا چاہئے؟

تو اپنے ایک مرسلہ میں مجھے خطاب کر کے کہتا ہے کہ: آپ کا حکم ہے کہ

کہ آپ کا حکم ہے کہ میں لوگوں سے کنارہ کش رہوں اور اپنے دل سے گفت و شنید کرنے پر قناعت کروں اور اپنے وجدان سے کلمہ و کلام کرتا رہوں۔ اگر ایسا ہے تو پھر آپ کی ان تعلیمات اور نصائح کو کیا کر دوں جو نامرگ کام ہی کام کرتے چلے جانے کی ترغیب و تحریص کر رہے ہیں؟ مگر میں اسکا یہ جواب دیتا ہوں کہ یہ سبھی تمہارا عجیب و ہم ہے! کیا تمہارے اس خیال کے لحاظ میں اپنی اس موجودہ حالت میں کام سے بالکل معطل ہوں؟ میں محض اپنے ارادہ و اختیار سے جو گوشہ گیری اور منفردانہ زندگی اختیار کیا ہوں اس سے میری بیطرفانہ غرض اصلی یہی ہے کہ اس کام میں زیادہ لگا رہوں کہ جسکے ادائیگی کے میں درپے ہو رہا ہوں۔ تاکہ اس کے کثیر فوائد بہت سے انسانوں کے شامل حال ہوں۔ میں یہاں تک اس کام میں غرق رہتا ہوں کہ رات کے تاریکی کا ایک حصہ بھی اسکے لئے خاص کر رکھتا ہوں۔ رات میں نیند سے مجھ پر اسی وقت راحت ملتی ہے جبکہ میں کام کرتے کرتے تھک جاتا اور مجھ پر نیند کا غلبہ ہونے لگتا۔ اور میرے آنکھیں اپنے سامنے پڑے ہوئے کاغذوں کو تکمیل مشکل دیکھ سکتی ہیں۔ میں صرف اس لئے لوگوں سے کنارہ کش اور مادی اشغال اور اپنے خاص کاموں سے الگ ہوا ہوں کہ ان علمی اعمال کی لئے اچھی فرصت حاصل ہو رہے جو آنے والے متعدد زبانوں کے حق میں فائدہ بخش ثابت ہوں گے۔ میں جو تالیف و تصنیف کرتا ہوں اس سے بعض ان آنے والے زبانوں کو نفع اور فائدہ پہنچانا منظور ہے۔ میں اپنے ان مصائب اور بلاؤں سے جو مجھ پر آپرین اور جکے زخم گواہی تک تازہ ہیں مگر مندرج ہو گئے ہیں، جو مفید نصائح اور ہدایتیں۔ اپنے ذاتی تجربہ اور زمانہ کے حوادث کے بنا پر اپنے تالیفات میں درج کرتا جاتا ہوں، وہ محض اکیلے نہیں آئندہ صدیوں کے لئے ہیں۔ اور یہ کہ نئے تجربوں کے ذریعہ، مگر انہی کے بعد زندگی کا روشن اور سیدھا راستہ معلوم ہو چکا ہے۔ اور فیروزہ زندگی کی منتوں اور اسکے خوش آمد حقیقت نما دہو کون نے۔ مجھے ہر طرح مستعد کر دیا ہے کہ میں اپنی پر وہ اٹھا دوں اور جھلک علی الاعلان سب لوگوں کو سنا دوں کہ: اسی لوگوں اس دنیا کے ان تمام لڑائیوں اور خوشنما مظاہر سے دور بہا گئے رہو جو قسمت کے اتفاق سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور ان بمعنی خوبیوں اور بے اصل خوش نصیبیوں سے گریزاں ہو۔ اور یہ کہ جہانک ہوا پر ہیز کرنا اولیٰ ہے۔ زمانہ پر اعتماد نہ کرنا۔ اور یہ جان رکھو کہ تمہارے ٹھنڈ اور بہرہ و سستی کی مثال ان پھلیوں اور ہرنوں کی سی ہے کہ جن کے لئے پھندوں میں غذا رکھی جاتی

جاتی ہے کہ جسکے کہانے کے ہوس میں یہ بیچارے قید میں پھنس جاتے ہیں۔ زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ وہ جو کچھ عطا کرتا ہے وہ صرف اسی غرض سے ہے کہ مردوں کو اپنے دامِ بلا میں پھانسلے۔ اگر ہمیں منظور ہے کہ امن اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کریں تو دنیا کے ان چیزوں پر اعتماد مت کرو جو محض ظاہرِ ظاہر پر فریب ہیں ورنہ ہمیں ناکامی اور شکست اٹھانی پڑیگی اور نقصان اور کھلی کھلی گمراہی سے سابقہ ہوگا۔ میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم ان پھنڈوں میں نہ رہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا کو حاصل کر رہے ہیں حالانکہ معاملہ برعکس ہے کہ ہم ان لذائذ کے ذریعہ گرفتار کر لئے جا رہے ہیں۔ دنیا کی ظاہری ساز و سامان اور دنیا کی نعمتوں کا انہماک فی الواقع ایک عینہ گمراہی ہے کہ جس میں لوگ گرتے چلے جاتے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ اللہ یہ لوگ اپنے اس منزلِ نواز تہاد و تہ کی غفلت و غور خیال کرتے جاتے ہیں۔ آدمی جس وقت اس دنیوی فریب کے دھارے کی رو میں لڑکھنے لگتا ہے تو اسکو ایک حال پر ٹھہرنا متعذر ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں کتابت کی ضرورتیں ہیں۔ یا تو حتی الامکان اس دھارے کا مقابلہ کیا جائے۔ یا دنیوی معاملات زندگی ہی سے الگ ہو۔ کیونکہ فریب دنیا اور اسکے ساز و سامان صرف طبیعت ہی کو نہیں منعقب کر دیتے بلکہ لوگوں کو ظہار میں گمراہی کے بخوبی پس دیتے ہیں۔ بہت سے ایسے آسان قابلِ تقدیر طریقے ہیں اور علاجِ شافی و دوائی ہیں کہ راہِ زندگی میں جنبہ گامزن ہونے سے تھیں فریب دنیا سے مجات ہو سکتی ہے اگر تم ان کو کام میں لائینگے ضرورتِ نجات بھی ہوگی۔ اور یہ طریقے یہی ہیں کہ تم اپنے اجسام کے جانب اسی حد تک متوجہ ہوں کہ انکی سلامتی اور صحت باقی رہے۔ اور ان اجسام کو سخت محنتِ زندگی کے عادی کر رکھیں تاکہ کسی موقع میں ہی انہیں سرتابی کرنے اور عقل سے منحرف ہونے کا کوئی وسیلہ ہی نصیب نہ ہو۔ اور کہنا اسی قدر کہائیں کہ زندگی محض ظاہر و قابلِ شرب چیزوں کا اسی قدر استعمال ہو کہ پیاس فرو ہو جائے۔ لباس اس حد تک ہو کہ اس سے گرمی اور سردی کا بچاؤ ہو سکے۔ گہرا تپا ہو کہ جہان رہنے سے ہم مہمومی گرم و سرد زمانہ سے بچے ہو۔ رہیں۔ خواہ وہ ایک ایسی حیرتِ چوٹی ہی ہی کیوں نہ ہو۔ جو درختوں کے جڑوں اور شاخوں سے باہر آتی ہے۔ وی گئی ہے یا کوئی قصرِ عظیم لہستان ہی جو گچ اور چمکدار سنگ مرمر سے تعمیر ہوا ہے۔ میرے خیال میں تو درختوں کے جڑیں اور شاخیں ایک مکان کی اصلی غرض کو اس محل سے پڑھ کر ادا کرتی ہیں کہ جسکی دیواروں پر سونے اور روپے کا پانی پہرا گیا ہو۔ بلکہ میں اور اس سے بڑھ کر یہ کہہ سکتا ہوں



کہ ایک چھوٹی ہی ایک قعر عظیم الشان سے زیادہ آدمی کو ہر ایک معمولی حادثہ سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ پس تیرا فرض ہے کہ تو سارے نعمتوں کو اپنے آنکھوں میں حقیر سمجھتے اور ساری دنیوی ساز و سامان کے جانب۔ کہ جنہیں کچھ بھی عزت اور زینت زندگی و ہری نہیں ہے۔ ذرہ بھی لپٹائی ہوئی نگاہیں نہ ڈالے۔ جان رکھ کہ آدمی کی عزت اور زینت خاص اسی کے ذات کے باعث ہے۔ اگر وہ خود ہی عظیم الشان اور رفیع الدرجات ہو جائے تو دنیا کی سارے اشیاء اسکی سامنے حقیر و صغیر دکھائی دینی لگتی ہیں۔

جو شخص اس نصیحت کو آنکھوں پھر نصب العین کر لیا۔ اور اسی طرح کے اور مثالوں کو اس غرض سے فراہم کرنے کے جانب متوجہ ہوا جو کہ ان سے آنے والی نسلوں کو فائدہ ہو گیا۔ اسکی یہ کارروائی نفع و فائدہ کے لحاظ تیرے نظر میں اس نصب جہی کے برابر ہے۔  
کہ جس میں لوگوں کے نارعات کا تعقیب کرنا اور انکے معاملات میں نظر انصاف ڈالنا اور وصیتوں کے آوازیں مہرین لگانا یا مجلس اعیان (مہوزات لارڈز) میں بیٹھ کر کام کرنا۔ اور مختلف صیغات سلطنت کے عہدہ داروں کو تائید و نیا شامل ہے۔ ای دوست تو بخوبی اعتماد رکھ کہ وہی لوگ کہ جیکے ظاہری حالات سے بیکاری کا ثبوت ملتا ہے وہی۔ اعمال جلیلہ ادا کیا کرتے اور وہی ہیں جو سارے کائنات ارضی و سماوی کے جانب مشغول ہیں۔ اب وقت ہے کہ میں اس جہی کو ختم کر دوں مگر میرا فرض ہے کہ ختم سے پیشتر ہی اس روزانہ معمول کو ادا کر دوں کہ جسکا ادا کرنا میں نے اپنے آپ پر فرض کر لیا ہے۔ اور یہ وہ گہر دانائی ہے جو میں نے بحر حکمت (حکیم) اپنی کیور سے حاصل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”کن عبد الحکمة یکن حرا جدا الحرية“

(حکمت کا غلام ہو کہ تجھ کو پوری پوری آزادی ملے) یونہی چارگی ذلت ہے) گر یہ وہ بندگی ہے کہ جس میں ذرہ بہرہی ذلت اور ایذا نہیں بلکہ اور خوشی اور بہت ہی ہے۔ وجہ یہ کہ جو حکمت کا تابع ہو جاتا اور اسکے آستانہ پر سر رکھ دیتا اور اسکے ادا کر کے بجا آوری میں ثابت قدم ہوتا ہے اس پر سے فوراً غلامی کا جوا اٹھ جاتا ہے۔ اور یہ خدمات حکمت عین انسانیت آزادی ہیں۔ شاید تو بیان پر کہیگا کہ کیا وجہ ہے کہ تم ہمارے اور فلاسفوں کے نکات حکمت کو چور کر صرف ایک اپنی کیور ہی گواروں پر ترجیح و تفصیل دے رہے ہو؟ مگر میں تجھے جواب دیتا ہوں کہ کیوں تو اپنے سوال میں یہ نہیں کہا کہ یہ نکتہ تو بہت سے لوگوں کی زبانوں سے نکلا ہے۔ صرف ایک اپنی کیور

## 17

اسکا راتی  
اس کا کہنے (بگڑ گزشتہ غز)

اعراض انہی خدایا کرنا کہ شیعہ - خدایا کرنا کہ باعث نجات پیدا ہو گئے۔ موت و ہزار تک بستر  
 پیدا ہو کر پر سے۔ طبیوں نے گردلوں سے کہہ دیا کہ اب بڑے میدان کی خیر نہیں خدا سی بجائے تو  
 بچیں۔ کہ بستر خدایا علی سے چھاپیں پر ایک بات پر کان دیکھتا تھا۔ طبیوں کے اس نامہ سیدی کو سنا۔ جب  
 خوش ہوا۔ اور شیعہ علی کہ جو نہ کر کر دسی بلوایا اور بے گئے ہزاروں ہونڈ قرض دے۔ مگر کہ بستر کے  
 فوضی بیت و دن۔ کہ شیعہ معیہ بہت جلد شفا یاب ہو گئے۔ انکی شفا یابی کی بستر کا جنازہ اگالہ سی۔ بہت  
 دنہر نہیں ہوا۔ پھر عل کو قرض دے سے ناخبر ہو کر لیا۔

اسکے بعد علی کی زندگی نہایت ہی تنگدستی میں گزرے لگی۔ کہیں سے کسی راقم کی کچھ دولت نہ تھی۔  
 جسے ہر کہ بعد کسی روز ملتی جو باب کے جانب سے یہ وہ غریب کے لئے مانا نہ عطا ہوتی تھی۔ اور یہ قابل تھی  
 و قریب اس وقت کہ سب سے پہلے جو اس کے غلام کے جواریوں کے دندو ہو جاتی تھی جبکہ وہ ملتی تھی۔ اس بعد وہ باب کی  
 تنگدستی سے یہ۔ علی کی آنکھوں میں دینا اندھیرا ہی تھا۔ وہ خانہ نقیہ ہو گیا۔ اور یہ فکر کرنے لگا کہ اس طرح  
 باب کی دولت کا کوئی حصہ دیا کر جو میں لگائے اور اس طرح دو تھنہ بچائے۔ آخر وہ جتنے سرچنے پڑنے  
 اور غائبازی کا خیال اس کے ذہن میں گزرا۔ الشیخ سعید کی ایک مہنہ لگی جوان خادمہ تھی۔ شیخ صاحب کبیر  
 بڑا اعتماد رکھتے تھے۔ خادمہ کو بڑے ہی کی شروت سے تمام واقعات معلوم تھے۔ علی بتدبیر کے اس سے خفت پیدا کرنا  
 شروع کیا۔ جب جب اسے دیکھتا ایسے لگا ہوں گے اور گویا اس کا دل عشق کی آگ میں جا رہا ہے۔ اس  
 غامضی حال سے پیش خدمت بھی سمجھنے لگی کہ علی مجھ پر مر رہا ہے۔ وہ یہ کہ عورتوں کا دل نہایت نرم ہوتا ہے  
 ادنیٰ ادنیٰ تاثیر اس کے بچپن کر دیتی ہے۔ اور اس تاثیر کا اثر عالمگیر رہتا ہے جبکہ اس میں عشق و محبت کی چراغیں  
 ہوتی ہے۔

باغ کے کسی گوشہ میں علی ہر رات اس سے ملتا۔ اور اپنا عشق جھانپتا۔ اس موقع پر باپ کی بکل اور خست کی شکایت ہی کرتا۔ ان باتوں کے وقت کچھ بابوساں سرکات اس سے ایسے ہی سرزد ہوتے تھیں کہ نادان خادمہ کا دل اس کے لئے جلنے لگتا اور اس کے ایک رنگہ نغما پر اس کا دل پانی پانی ہرجاتا تھا۔ اگر خادمہ کا دسترس ہوتا تو ایک دم سے علی کو اس دینکے اعلیٰ درجہ رفاعت و غارغ المانی پر پہنچا دیتی۔

مگر کیا کیا جلے کہ وہ ایک ادنیٰ خادمہ تھی اور اسکا ناتہر ایک قدرستے غلطی تھا۔  
جس وقت علی کو یقین ہو گیا کہ خادمہ اسکی محبت کی دام میں گرفتار ہو گئی اور اب وہ ہر ایک  
فرمائش کو ادا کرنے طیار ہے تو ایک شب باغ میں خادمہ سے ملا اور بولا کہ علی کا روز والد بزرگوار کا پچاس ہزار  
پونڈ ملے ہوئے القابہ کو جلنے والے ہیں۔ یہ مبلغ القابہ کے ایک بنک میں جمع کیا جائیگا۔ جب وہ بنک سے  
جاکہ لیکر واپس ہوں۔ چک اڑا کر اسے دیدے۔ چک نقدی ہوتے ہی بن بلا شک و شبہ اس سے بیاہ  
کر دینا گناہ سنتے ہی خادمہ پہنچے تو کانٹوں پر ناختر رکھ لی۔ پھر بولی یہ چوری اور دغا بازی ہے۔ اس کا نتیجہ بیت  
بر ہے۔ لہذا اس سبب سے کہ اس خیال سے بازار آئیں اور کوئی در نہ ہو یہ سیر سوچیں۔ مگر علی اپنے اصرار پر  
قائم رہا اور بار بار ایسی کسمپرسی نکالیں کہ سیر بازار لگا لگا کر چکاغھی ہی پتی کہ بچہ رحم کر دے۔ ان لکا ہوا  
نے آخر خادمہ کو چوری پر راضی کر دیا۔ اور وہ وعدہ کر دی کہ جس روز یہ چک نقدی میں آئیگی۔ نور اٹکے  
والہ کر دیا جائیگی۔

خادمہ نہایت ہی امانت دار تھی کسی اسکے جانب سے کوئی خیانت نہ ہوئی تھی۔ اس لیے الشیخ  
سید کہ کسپر پورا پورا اعتماد تھا۔ تمام چکین اسکے حوالہ تھیں۔ اور کہ نسی ڈوٹن سکے ہتے اسکے تحویل ہوتے  
تھے۔ وہ ان کاغذات کو پوری امانت کے ساتھ رکھتی اور مانگنے پر چور کے تون حوالہ کر دیتی تھی۔ مگر  
ایک اسکی ساری ایمانداری جاتی رہی۔ اسکے کانٹوں میں علی کے محبت بہرے الفاظ کو بچھنے لگے۔ جب جب  
اسکو علی کا وعدہ مناکحت یاد آتا مارے خوشی کے آپے میں نہ رہتی۔ غرض اس طرح وہ اپنے سارا ایمان  
کہوئے راضی ہو گئی۔ عشق اذین بسیار کر دست و کند۔ سچہ راز ناز کر دست و کند۔

جس روز الشیخ سعید القابہ سے چک لیکر گھر واپس ہوئے۔ علی خادمہ سے ملا اور  
بولا اب دیری کا ہیکلی۔ میں آج شب کو باغ میں منتظر ہو لگا۔ کسی طرح یہ چک میرے حوالہ کر دی جلے  
نادان خادمہ کہ جسکے حوالہ سب قسم کے اوراق تھے اس چک کوئی ہوئی آدھی رات کو جبکہ ساری ساری خدائی  
میں ہی تھی باغ کے اس گوشہ میں بھی جان علی اس کا عاشق عالم انتظار کے گہر زبان گن رہا تھا پتھر کا  
کاشتہ ہے ہاتھوں سے جو اس جرم کے باعث حرکت کر رہے تھے چک کو علی کے حوالہ کر دی۔ علی اسکو لیکر باغ  
باغ ہو گیا۔ لچکو آغوش میں پٹالیا اور بھیج بھیج کر رہے۔ اسکے بعد بولا اب میں علی الصبح القابہ  
کے جانب روانہ ہو جاؤ لگا۔ دنان بنک سے مبلغ حاصل کر کے القابہ میں رہائش اختیار کر د لگا۔ اور  
چند روز کے بعد ہمیں ہی بولا لگا۔ مگر لازم یہ ہے کہ تم آٹھ دس روز تک محل ہی میں رہیں تا ہماری  
سازش ظاہر نہ ہو۔ علی گوش نصیب یہ تھی کہ اس چک میں لکھا گیا تھا کہ دیکھتے ہی فوراً حامل چک کو روپیہ

دیر یا جلسے۔ اس میں کسی خاص شخص کا نام نہ تھا۔  
 دوسرے روز علی القادر کے جانب سوار ہو گیا۔ سفر سے پیشتر باپ سے کہا کہ جو ضروری کام چلیے  
 میں اکلند رہ جاتا ہوں۔ باپ خادمہ شریکیا کہ جس کو چاہا کہ۔ بیان شیخ جی قاہرہ نیچر بلک سے مبلغ حاصل  
 کرے۔ نصف مبلغ تو آپ نے اور نصف کر سیٹو کے نام سے جمع کر دیا۔ تاکہ اسے خرچہ کا کچھ حصہ مبیاق ہو جائے۔  
 اور پھر اس کے نزدیک ساکھ ہو اور دو وقت ضرورت روپیہ دیا کرے۔ اس کے بعد شیخ جی چند روز القاہرہ میں رہے  
 اور میان کے تھے خانوں میں کچھ بیسٹھ کر دیا۔ پھر المینا پلاٹے اور آتے ہی کر سیٹو کے جوئے خانہ میں  
 جا پڑے۔ بلک کی چک واد کی اور کہا اب آپ شوق سے کچیس ہزار پونڈ بیان سے وصول فرمالیں۔ کر سیٹو  
 بہت کچھ شکر یہ ادا کیا اور ہوا اگر روپیہ کی ضرورت ہو گئی تو میں ہر طرح مدد کو تیار ہوں۔ اس کے بعد کر سیٹو  
 خزانہ القاہرہ جی پتے سے بلک سے روپیہ وصول کر لیا۔ اور چشم زدن میں بھر المینا آجینا۔  
 چار سو شیخ جی رات دن کر سیٹو کے جوئے خانہ میں رہ پڑے۔ کبھی بیان سے باہر  
 نہ نکلتے تھے۔

اب فداوہ کا حال سنو۔ چند روز کے بعد وہ شیخ جی کی تلاش میں القاہرہ روانہ ہوئی۔ بیان کا  
 گوشہ گوشہ چہان والا کر علی کا پتہ نہ لگا۔ کچھ کھلی کی محبت صرف ریاکارانہ تھی۔ مطلب روپیہ حاصل کرنا تھا  
 اور نہیں۔ کہاں کا بیاد کہ ہر کانکلیج۔ غصہ میں بہری ہوئی المینا لوٹی اور دل میں ٹھان لیا کہ سارا  
 روہاوشی میرے کہہ سنائے۔ چنانچہ وہ المینا شیخ کر جب محل کو چلی جا رہی تھی راستہ میں شیخ علی سے  
 ملاقات ہوئی دیکھ کر خیر و عافیت پوچھی اور وعدہ مناکحت کو یاد دلایا۔ علی بولا۔ دیوانی سارا بیاد برات اس  
 چک پر منحصر تھا۔ اب تو غفارت کے باعث یہ چک میرے قانون سے کہو گیا۔ میں کسی کی تلاش میں سرگردان  
 پھر رہا ہوں۔ جواب سن کر کچھ کہ یہ بھی حضرت کی ایک جا ہے۔ سید ہی محل کو آئی اور الشیخ سعید سے۔ سارا ماجری  
 کہہ سنایا پہلے تو وہ شیخ نے جلتے کر جب صندوق کہو لکر دیکھے تو چک کو نہ پا کر بہت برہم ہوئے اور باہر آکر ایک  
 تار القاہرہ کی بلک کو روانہ کیا۔ رات سے جواب آیا۔ آپ کے فرزند اگر روپیہ ملے گئے۔ اس جواب سے الشیخ سعید  
 کو آگ لگا گئی۔ کب وکیل کے پاس گئے اور ساری روہاوشی بیان کی اور کہا کہ جسطرح ہوئے شیخ علی یہ سکتا  
 فوجداری میں چوری کا مقدمہ قائم کر کے سزا دلادی جائے۔ وکیل بولا باپ کے ان کے جرنل سے بیسٹھ کر کوئی  
 مقدمہ قائم نہیں ہو سکتا۔ مان البتہ اس سے روپیہ واپس لیا جاسکتا اور خادمہ کو سزا مل سکتی ہے۔ شیخ سعید  
 کو یہ منظور نہ تھا اسلئے واپس ہو گئے اور اس کے بعد جاسوسوں کو متعین کر دیا کہ علی کو جہان یا یمن بھیجے آئیں  
 ان لوگوں نے کر سیٹو کے جوئے خانہ میں علی کو پایا۔ کشاکش ان کے آگے اور باپ کے روہاوشی کر دیا۔ دیکھ کر  
 الشیخ سعید نے بت کی لغت و علامت کی مگر علی بت نہا کر ادا کرنا۔ کسی بات کا جواب نہ دیا۔ آخر تک کر شیخ صاحب

نہایت سے اسکو نکالے۔ اور نوکردن کو تاکہ اکیہ کی کہ اگر وہ کہو بیان تہم رکھنا چاہتے تو نہ کہنے دین۔  
اس امانت کے بعد علی المینا ہی میں ایک الگ مکان کرایہ پر لیکر اکیلا رہنے لگا۔

## چھٹوان باب

نوبہ

اور الہوس گنہ و بر لب قوبہ

نہین قوبہ نادرست یارب قوبہ

ایک زمانہ دراز تک علی یونہی باب سے الگ رہا۔ اس اثنا میں جو اسکے دن رات کی دلگی  
تھی۔ نہ باب کے غفلت کا خیال تھا۔ نہ بدنامی کا خوف۔ آخر چند رچ سب مال مار گیا۔ اب بجز مسٹر کریم سے  
قرض لینے کے چارہ ہی کیا تھا۔ مگر سب قرض تو دیتا تھا مگر قلیل سے رقم کیلئے کہ نہ قرض کے تمکات لگا  
لیتا تھا۔ اس طرح چند ہی روز میں اس سے دو گونہ بوجہ میان علی کی گردن پر نہ کیا بقضاکر وہ کریم کو  
بیباق کہتے اسکے بعد نوکر سیڈ قرض دینے کی قسم کھایا۔ تاہم خانی رہ گئے ان دوست اسباب سے تہوار  
بہت قرض بٹلنے لگا جو خانہ خراب جوئے خانہ میں اسکے اثنا صابہ گئے تھے۔ اور یہ قلیل حار و میر ہی بڑے  
دعہ دہید اور مال ہٹا اسکے بعد ملتا تھا کہ جھکے لئے جاے در دست کے پاؤں کو نہ توٹ جاتے تھے۔ پھر  
خوشامد بھی کرنی پڑتی تھی۔ چند روز کے بعد خود علی کو اپنی ذات و خواری کا احساس ہونا شروع ہوا کہ  
مائے مہمان وہ شان و اعزاز اور کہان یہ نگہ خواری۔ آٹھون پیر اسی فکر میں گھلنے لگا۔ گھلے گھلے  
سو کہہ کر قاق ہو گیا۔ دن کا چین باتا رہا۔ راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف امراض  
آگیزے۔ ابھی ایک بیماری سے بھارت نہ ہوئی تھی کہ دوسرا مرض حضرت کی خیریت پر اس کو آخر دم پہنچا تا  
پھر نصیبت یہ تھی کہ خویش و اقارب یار و مددگار سے دور اکیلا ایک گوشہ عزلت میں پڑا تھا۔ بارون  
طرف سے بلاؤں کا سامنا۔ مگر ایک ہی ہنشین اور مددگار اور دوست جو تسلی دیکر دل بھلائے مفقود۔  
اس سے بیمار کی جان بڑی ضعیف ہو گئی اور آخر ایک مرض نے ایسا زہر چاکہ میان کی حالت نہایت ہی  
قابل رحم ہو گئی۔

الشیخ سعید کے ایک لنگوٹے یار تھے وہ سنہ علی کے پاس آئے۔ اسکو دیکھا۔ پھر شیخ کو پاس لے  
اور بیٹھ پر ترم کہنے اور اسکو گھرا ہوا منکرانہ کے لئے سفارش کرنے لگے۔ شیخ سعید نے صاف انکار

کر دیا کہ دو بارہ وہ میرے گھر میں نہیں آسکتا نہ علی کی دشمنی باپ کے واپس کا نقش فی الجہر ہو ہی تھی۔ پھر اس مبلغ کثیر کا جسے میں صرف ہو جانا تو اور بھی انگور ہم کر دیا تھا۔ شیخ کے اس اصرار کو دیکھ کر وہی خود علی کو اپنے بیان ابھڑا منکول لئے۔ اور ایک کمرہ اسکے رہنے کو دیا۔ اور شہر کے دو مشہور طبیب معالج قرار پائے۔ چہرہ روز ہر بات کے نگران اور پرسان رہا کرتے تھے۔ انکی اس مہربانی سے علی کی صحت بحال ہوئی شروع ہوئی جس سے اس نیک بناد بزرگ کو بھی بڑی خوشی ہو رہی تھی۔

علی کی بیماری اور بیکہ کی خبر فائقہ تک پہنچ گئی۔ وہ روئے اور ماتم کرنے لگی۔ آہٹوں پیر کے آگئیں تر رتی بنیں دن کی بجائیں اور راتوں کی بجائیں فائقہ کی صحت کو خراب کر دیا۔ شیخؒ اس امر سے بہت کچھ منع کرتے تھے۔ مگر فائقہ کو بیٹے کا حال زار سنکر صبر نہ آتا تھا۔ جس سے فائقہ بہت ضعیف و زار ہو گئیں۔ بی بی کی یہ حالت دیکھ کر شیخ سعید بیٹے کے لغزشات سے درگزر نہ کیا ہو گئے۔ اور بی بی سے اسکا بچہ وعدہ بھی کر دیا۔

جس وقت فائقہ کو شہر کا ارادہ معلوم ہو گیا وہ ان بزرگ کو اس حالت سے آگاہ کیں جو علی کو اپنے پاس رکھ کر تیمار داری کر رہے تھے۔ اور کہلا بھیجی۔ آپ مجھ پر منت رکھیں پیر ایک بار شیخ صاحب سے بیٹے کے بارہ میں سفارش کریں۔ وہ راضی ہو کر شیخ سعید کے پاس چلے آئے اور بہت وقت تک بڑے مہمان کو سمجھاتے اور نہلتے پر پائے رہے۔ آخر شیخ جی من گئے اور یہ طے پایا کہ علی انکے محل میں لایا جائے اسکا معالجہ ہو۔ تندرست ہو جائے۔ جو اسے تو بہ کر لے۔ اگر یہ اطاعت ہو اور عمر بھر وہ اس خانہ خراب ٹھہرے پاس نہ پھٹکے اور نیک بنارہے تو پھر اس پر نظر نہایت ہو اور وہ ہر کام میں باپ کا شریک حال رہے ورنہ فرزند ہی سے عاق کر دیا جائے اور شیخ کو اس سے کچھ بھی تعلق نہ رہے۔ ان شروط پر علی باپ کے ہر نایا گیا دو عازق طبیب معالجہ کرنے لگے۔ تین مہینوں تک۔ المانہ علی ہو تارنا۔ تب کہیں جا کر مرض زائل ہوا۔ اور شفائے کلی نصیب ہوئی۔ جب بیٹا پورا تندرست ہو گیا۔ ایک دن شیخ سعید اپنے دوست کو بلوایسے۔ اور بیٹے کو بھی حاضر کئے۔ پھر دونوں بزرگوں نے علی سے ان شروط کا ذکر کیا جو اسکے غائبانہ میں دونوں دوستوں درمیان قرار داد ہوئی تھیں۔ ان شروط کو سنکر علی تو بہ نہالہہ کیا اور کہا کہی جسے کا نام نہ لو شکا۔

اسکے بعد محل میں رہنے لگا۔ اور طریق پرہیزکاری پر چلنے کے لئے کوشش شروع کر دیا۔ ہر روز علی الصبح اٹھتا۔ بناد ہو کر وقت پر نماز بخرا داکرتا۔ نماز کے بعد نہایت ہی تضرع و زاری سے خدا کی درگاہ میں اپنے ناکردنی افعال کی مغفرت اور توفیق یک عطا ہونے کے لئے دعا مانگتا۔ پھر موخوری کے لئے باغ میں جاتا۔ جب آفتاب طلوع ہوتا باپ کے پاس آتا اور نہایت ہی ادب سے پاس بیٹھ کے معاطات تجاہت میں

بڑے مہمان کا ناقص بنانا جسکی انتہا اس بڑا حال ہے مہمان از حد ضرورت تھی۔

جس وقت باپ کو بیٹے کی نیک نیاوی اور پرہیزگاری نظر آئی اور معلوم ہو گیا کہ اب بچہ کبھی وہ جوے کے پاس نہیں لپکیگا تو بہت خوش ہونے اور اپنی ایک زمینداری کا اہتمام و انتظام بیٹے کے سپرد کر دئے علی ہی نہایت ہی تندہی سے اپنا فرض مفوضہ کو ادا کرنے لگا۔ ہر روز نماز صبح کے بعد ان کیمپوں کو جاتا۔ دن کا کھانا وہ مہین کھاتا۔ شام تک ہر ایک بات کی دیکھ بھال کرتا اور رات کو واپس ہو کر دن بھر کی دیکھ بھال کرنا اور دوسرے دن کے کام کے لئے باپ سے مشورہ کرتا۔

جب بیٹے کا چال چلن بیان تک درست ہو گیا شیخ صاحب کو مناسب نظر آیا کہ بیٹے کی شادی کر کے اسکو خانگی و سہ دن کی زنجیر میں جکڑ دے تاکہ وہ بچہ رہنے کے لئے مشغول و لایعنہ میں مشغول ہو سکے۔ اپنے اس ارادہ کو غالباً سے ہی ظاہر کیا۔ یہی شوہر کی رائے سے متفق ہو گئی۔ بچہ بڑے بعد دو لونڈیاں بی بی نے علی کو اپنے ارادہ کی خبر کی۔ علی ہی رائی ہو گیا۔ شیخ کے ایک دوست کی لڑکی نہایت ہی صاحبہ تھی۔ اس سے شادی کر دی گئی۔ شادی کی ضیافتیں بڑی دھوم دھام کی ہوئیں۔ ضیافتوں کے علاوہ مساکین کی بھی بخوبی اعانت کی گئی۔

شادی کے بعد شیخ سعید کا گمان ٹھیک نکلا کیونکہ علی پیشتر کے بہ نسبت اور بھی راست باز اور نیکو کار بن گیا۔ روز بروز اسکا چال چلن اور بھی درست ہونے لگا۔ اور صلاح و پرہیزگاری بھی بڑھتی جاتی تھی۔ یا تو وہ اوقات عبادت میں کھڑا نماز پڑھتا دیکھائی دیتا تھا یا سارا دن اپنے کام میں مشغول رہتا تھا۔ گویا اب وہ اکٹھا علی نہایت جو دن رات جوے خانوں کے مکروں میں گھسا بیٹھا لایعنہ باتوں میں اپنی بات کرتا۔ بڑے کرتا تھا۔ اس طرح شیخ سعید کا اعتماد اور بھی بڑھ گیا۔ جب پورے طور پر وثوق ہو گیا تو انہوں نے فرزند کو اپنا جانشین کیا اور سب کام کیسے سپرد کر دئے۔ علی ہی نہایت ہی عرق ریزی سے اپنے جملہ فرائض ادا کر لے لگا۔ سارا دن محل ہی میں رہتا اور کل کاموں کی دیکھ بھال کرتا۔ کرسیٹ اور اسکا جوے اس طرح سب اسکے دل سے فراموش ہو چکے تھے گویا وہ کبھی اس یونانی اور اسکے محل شناسائی ہی نہیں رکھتا تھا۔

اسی حالت سے دو سال گزر گئے۔ روز بروز باپ کا اعتماد بیٹے پر بڑھتا گیا جس سے شیخ جی کے دل سے وہ ساری بدگمانیاں و محل گین جو گزشتہ چال چلن کے باعث بیٹے کے بارہ میں اسکے اندر رہتی تھیں۔ مگر انہوں نے یہ خواب خوشگوار بالکل عرصہ قلیل تک رہا۔ چاندنی چٹکی بھر اندر ہیرا پا کہ۔ مگر میوں کی کشیدگی اور کل گئی۔ بجلی جکڑ۔ آنکھوں کو جھنڈا دیا مگر مسافر کو مارکی کا تار کی سن۔ جناب شیخ صاحب

ہر طرح باپ کے جملہ اعمال کے غماز ہوئے اور باپ کی عزت لگے انگلیوں کے اشارہ پر حرکت کرنے لگی اور تمام تجارت اور زمیندار یوں کا سارا انتظام اور کل سیما سپید لگے قبضہ قدرت میں آگیا۔ چھانک کر فریب میت ابلیس یعنی آدمی ہوا۔ قمار بازی کا خیال چلتے دنوں خود رو گیا جس کی چون اور جڑوں کے مانند ریل میں دیکھا پراہنا وہ شیخ سعید کے انتہا ثروت و دولت کے بارش کے ساتھ ہی مٹا دیا لگا۔ جوے خانہ اور اسکے جملہ کمرے یاد کرنے لگے۔ اس لحاظ سے ہی اب یہ خیال علی میں پیدا ہو گیا تھا کہ اسکا کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ اور یہ کہ ہر کام میں جانشین اور متصرف خود مختار مہرنے کے باعث باپ کو بیٹے کے کسی بات کا خیال نہ چل سکتا تھا۔ مگر وہ بہاری بہاری قصبہ جو وہ اسکے اور اسکے نیک بہادر دوست کے درمیان ہو گیا تھا منع کر رہی تھیں کہ کھفت کیا کر لے۔ دیکھ کہ ان کا وبال دینا اور آخرت میں میرے سر پر لگے۔ مگر وہ باپ کے لگے منہ کیچ رہے تھے چلو کر لیٹو کے محل کی ہوا کہا آئیں ایمان۔ بچے و دستے تو کھینچے ہی چلے گئے کعبہ میرے پیچھے تھے کلیسا میرے آگے۔ اس لڑائی میں کبھی نیکی و رہو جاتی تھی اور کبھی بدی۔ بڑا کہتا اس کا تھا کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ میں دولت کا ایک کثیر حصہ جواریوں کے نذر کر دوں مگر شیطان کہتا تھا اورو نہیں کہ ایک کو دس اس نفع ہو جائیگا۔ قرآن حکیم سچ فرماتا ہے۔ ان النفس الامارہ بالسوء و النفس امارہ صرف برائی ہی کے جانب راہبری کرتی ہے)

اب تو یہ حال ہو گیا کہ حضرت جب جب ہوا خوری کے باہر نکلے دل خود کو تو کر لیٹو کے جسے خانہ کی جانب کھینچا چلا جاتا مگر چونکہ ایمانی طاقت ابھی کمزور نہیں پڑی تھی اسلئے اس خیال کو دل سے بے کھال دیتا تھا۔ روز روز کے رحمان سے آخر ایمان کا زور کم پڑ گیا۔ اور شیطان کی فتح ہوئی۔ ایک روز جب ہوا خوری کے لئے باہر نکلا تو کر لیٹو کے جسے خانہ میں جا ڈالنا، مسٹر کر لیٹو دیکھتے ہی کچھ کئے کچھ نہایت ہی تپا کہ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں آپ کے اعزاز کو دیکھ کر نہایت ہی خوش ہوں تاہم وہ کی باتیں ہر سہولے آخر کر لیٹو بولا چلو اندر چل کے جوے خانہ کی سیر کرو۔ مگر علی کر لیٹو کے مدد و رجحان پر رہی انکار کرتا رہا کہ نہیں اس وقت ناممکن۔ فرصت کم۔ بچے وقت معہد پر محل کو نوٹ جائیگا۔ البتہ کسی روز دیکھ لیا جائیگا۔

یہ کہہ کر جب شیخ صاحب روانہ ہونے لگے تو کر لیٹو لگے کان میں ایک ایسی بات کا تذکرہ کیا کہ اسکے سارے اعضاء زلزلے اور چہرہ پر ہوا ایساں اٹنے لگیں اور یہ تذکرہ اس قرضہ کا تھا جو علی کے ذمہ واجب الادا تھا۔ کر لیٹو کہنا قرضہ کی ادائیگی میں تاخیر ہونے کے باعث اس کا بہت بھاری نقصان ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا چونکہ اب وہ پرے سے ساری شہر کے بلاشرکت مالک



و متعریف ہیں اس کے باب سے جس طرح شیخ کو دے سکتے ہیں۔ علی ان باتوں کو سکر کر لیتا کہ ہر طرح اطمینان دلایا۔ اور بہت دیر وقت خانہ خربہ کے خانہ کی سیر کے باہر نکلا

جب یہ اس شیطانی گھر سے باہر نکل رہا تھا شیخ سعید جو ادھر سے ہو کر جا رہے تھے بیٹے کو دیکھ لے اس سے ان کے دل میں خدشہ پیدا ہو گیا ایسا نہ ہو کہ ایک مدت درانے کو وہ پرمیز نگاری کے بعد علی پھر جوئے کے پھیر میں آگیا ہوا اور شیطان مردود اس پر انبیا دامت برکاتہم و آلہم و سلم دیا جو۔ باپ کو دیکھ کر علی بہت پریشان ہوا۔ فوراً رو برو آئے سلام کیا۔ شیخ صاحب نے اس کے بیان آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ علی بولا کہ ضروری کام تھا اس لئے آنا ہوا۔ بڑھا جہان دیدہ بولا۔ میں نہیں جانتا کہ تمہارا بیان پر کوئی ضروری کام ہو گا۔ مناسب یہی ہے کہ تم بیان پر پھر قدم نہ رکھیں۔ یہ آمد و رفت ایک نہ ایک وقت پھر تمہیں جوئے کے غار میں گرا دیگی اور وہ سب صفات حسنہ ایک لحظہ تشریف لیجئے گئے جو اس مدت دیدہ کے ملاح و پرمیز نگاری کے باعث پیدا ہو کر ماں باپ اور ہر ایک شناسا کو گئے خوشنود کرتے ہوئے تمہاری سامنے لگے اغرضوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ شیخ صاحب اس قدر کہہ کر بیٹے سے جدا ہو گئے۔ دل میں بٹان کہ بیٹے کی سخت نگرانی کرنی چاہئے اور بجز ضرورت کے اس کو کبھی راتوں میں محل سے باہر جانے کی اجازت نہ دیکے جس وقت علی محل میں آیا۔ میر دلی بلغمین حوض کے کنارے آ بیٹھا۔ بیٹھ کر اس دوسرے شیطانی پر غور کرنے لگا جو اس کو کر لیتے جوئے خانہ۔ عین برآمد ہوئے کی حالت میں دیکھ لیا کہ بہت ہی شہزادہ کر رہا تھا۔ دلیں بولا افسوس اب دکانی کے باعث ضرور والد بزرگوار میرے پیچھے باسوس لگا دیئے جیسا کہ بہت بُرا ہو گا۔ یہ سوچ کر بٹان لیا کہ جو بنے دون اپنی موجودہ روش پر قائم رہے تا آئندہ جھلک کوئی خرابی ہوئی نہ پائے۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد کرلیٹو کی جانب سے علی کو ایک چچی بھیجی جس میں قرعہ کیلئے تنگ طلبی ہوئی تھی۔ لکھا تھا کہ قرعہ اگر پورا ہی نہ ادا ہو اس کا ایک حصہ تو ادا ہو جانا چاہئے۔ اس چچی کو دیکھ کر اطمینان دہی کیلئے علی کو مجبوراً کر لیتو کے پاس جانا پڑا۔ اور جاتے ہوئے ایک کافی مبلغ ہراہ لیکھا کر لیتو کو دیکر جب اس سے اس مبلغ کی مقدار کا اپنا دیا ہوا تمک واپس طلب کیا تو وہ بولا بالاعفل میں یہ تمک آپ کو دے نہیں سکتا کیونکہ اس طرح کے تمام کاغذات ایک ایسی محفوظ جگہ رکھے ہوئے ہیں جہاں تک اس وقت جانا نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر ایک رسید لکھ دیا جس میں اس مبلغ کے ہر دست ہونے کا اعتراف تھا یہ دن مہینے کے ابتدائی ایام کا تھا۔ جس وقت علی گھر واپس ہوا ایک ملازم باغ میں ملا اور اپنی تنخواہ مانگی جو اسے اب تک نہیں ملی تھی۔ اس کی درخواست سکر علی اپنے حبیب سے نوٹ بک نکالا





# عروہ منقذہ

## تاریخی فسانہ عاشقانہ

یہ عربی ناول جو سچا من موافق مصر کا مشہور ادیب جرجی زیدان اختیاری جو عربی  
تاریخی ناولوں کیلئے ساری دنیا میں مشہور ہو چکے علاوہ ملک مصر کے ان دس لاکھ فاضلین کو ایک ہی جہان  
مک سمجھ جاتے ہیں اسے اسلامی تاریخ پر بڑا عبور حاصل ہو چکے عطا لندون کی وی ریکل ایشیا ملک سو سی  
نے اسکو اپنے اعزاز میں پیش کیا کر کہا ہے اسکے قصوں کی بڑی خوبی یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو انکے مسلمانوں کے ساتھ  
کارنامے معلوم ہو جاتے ہیں اور پڑھنے والا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود کتاب کو ماتہ سے رکھنے جی نہیں دیتا۔  
اس قصہ میں خیر باجبروت عباسی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے عہد خلافت کی تاریخ ہے جس میں خلیفہ کے جلال  
وجبروت اس کی فوق العادہ زور و قدرت اسکی اسلامی جوش و شہسار ماننے کی کیفیت کعبہ ساہرا کی تعمیر  
قدیم پاریس مذہب کے معتقدات عید نوروز کی کیفیت آنفکرون کا سامان عبادت کا طرز عام گھروں کے احاطہ  
طرز و انداز و بدو و خلافت میں پاریسوں کا اقتدار قدیم ترکوں کے فوجی عادات، انکا عروج جنگ شہر بدو واقعہ عروہ  
کے تہمین خلیفہ خود سجادین کر شریک ہوا تھا۔ وغیرہ وغیرہ حالات صرغاص اور جہان کے دلچسپ فسانہ عاشقانہ  
کے ساتھ ساتھ بیان ہوئے ہیں اور لائق مترجم نے ہی جا بجا اہم تاریخی حاشے جوڑے ہیں۔

جناب مولوی محمد بدیع الدین صاحب نے فی ایڈیٹر موص نے کچھ عربی ترجموں کی شہرت  
معجز بیان نہیں اسکو کشفہ اردو میں لیا ہے عجم پانصوفوں کے اور پچھ لکھائی چھاپی خوب تقطیع و نمایاں  
لیکن ہر بار کفایت پیکر و پیہر سر جو صاحب پابین اوڈیٹر صاحب موص کے نام دی ہے کی اجازت بھیج کر منگوان

موص کثیر الاشاعت پریچر ہر ایک ماتہ تک اسکی رسائی ہو تا جہوں کیلئے اسے ہر ایک اپنی  
تہا کی شاعت کا کوئی وسیلہ نہیں ہو سکتا جلدی کریں اجرت سنج کر تیر نیچر ہو سکتی ہر ایڈیٹر

نمبر ۳ اسکے پڑھنے سے آپ کا قیمتی وقت جو ضائع ہو گا اس کے عوض کئے چند معاونہ مل جائیگا۔

۹۹

اگر کسی کے زمانہ میں یہ دو آئین آپ کے دکھ و درد کے بچے دوست بن جائیں گے۔  
وقت پر آپ کی خدمت پوری پوری  
بجائیں گی۔

سرور و ریح در دکی دوا

عرق پودینہ

نام کے رے در و سرور و سر ہوتا جاتا ہے اور  
جاتا ہے یہی دوا مٹی کے استعمال کرتے ہی فوراً  
آرام ہوتا۔ ڈاکٹر برمن کے ورک کی ایک ایسی ہی  
اتفاق وقت کے لئے بنی ہے۔

آزادی و دینی پودینہ کی ہری پتوں سے یہ عرق  
بنا ہے رنگ بی پتوں کے ایسا ہے اور خوشبو بھی  
لکھنی پتوں کی سی ہے۔ یہ عرق بچے سے ضعیف  
مک کو ایک سال فائدہ کرتی ہے۔

در د لطف میں پہاڑ ہوتا ہے  
یہ لطف میں پانی کر دیتا ہے

پیتے ہی در و شاقی ہے  
روئے کو ہنساتی ہے

صرف یہی نہیں بلکہ بنین جہان کہان مینح  
در و جیسے شیں۔ چک۔ ہک اور لکھنی سے  
جائے جسد و کیف ہو جسد در و سرور ہوتی ہے  
قیمت ۱۲۔ کیوں کی شیشی چھ آنہ ۶  
مصلوٹ اک ایک سے ۶ شیشی تک ۵  
اور بارہ شیشی کا ۶

مندرجہ ذیل مرضوں کے واسطے نہایت ہی مفید اور  
اکسیر ہے نفق ہو جانا۔ کہنا ڈکا ڈانا  
در و شکم پیچنی اور متلی ہشتہا کم ہونا  
ریاح کی علامت وغیرہ کو فوراً دور کرتی ہے  
قیمت فی شیشی ۸۔ آٹھ آنہ۔ ڈاک مصل ۵  
ہنگ آنہ پوری حالت خستہ قیمت مٹکا کر دیجئے

ڈاکٹر برمن کے برمن پستہ مارا چند ڈاکٹر کلر





